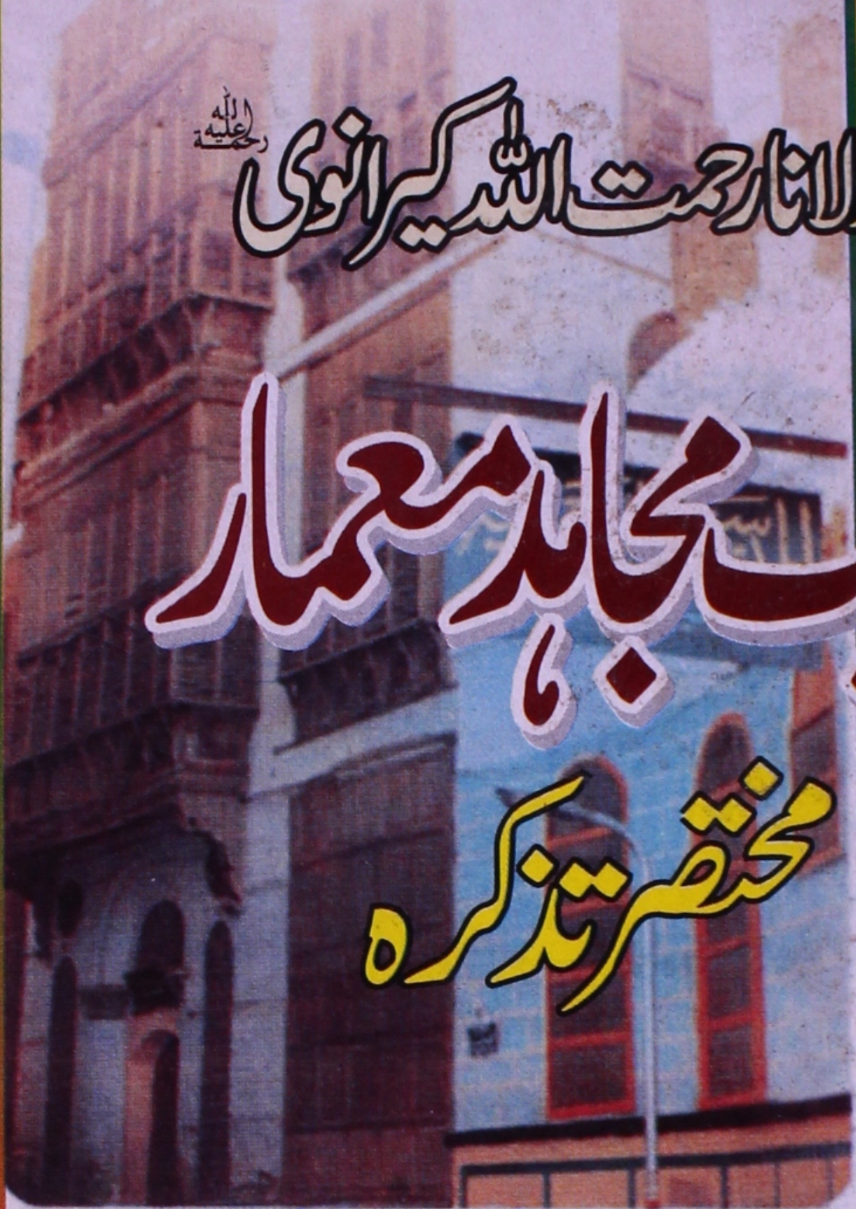
مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک مجاہد معمار

مختصر تذکرہ



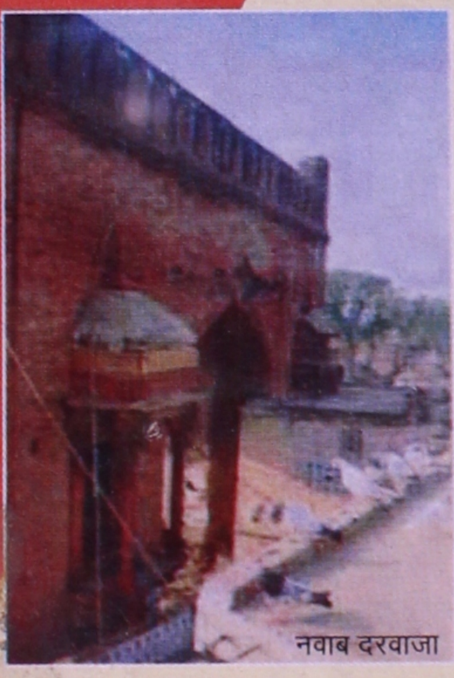
मदरसा सौलतिया-मक्का की एक इमारत

العمارة الكبيرة للمدرسة الصولتية التي انشأها الشيخ محمد سعيد
وانتقلت اليه المدرسة الواقعة حالياً بحارة الباب.









नवाब दरवाजा



दरबार दरवाजा (बाबे रहमत)



नवाब

مولانا محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک مجاہد معمار

مختصر تذکرہ

مجاہد اعظم پاسبانِ حرمین شریفین امام المناظرین
حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ
بانی دار العلوم حرم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

مولانا محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ

فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
NEW DELHI-110002

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

ہندوستان میں انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد مجاہدین کے ایک مقدس قافلہ نے ترکِ وطن کر کے کعبۂ اسلام کا رُخ کیا۔ اس کاروان کا سرگروہ ملتِ اسلامیہ کا وہ معمار تھا جس نے مرکزِ اسلام میں پہنچ کر اسلامی دنیا کے لئے ایک اہم مرکزی ضرورت کو اپنی خداداد دوراندیشی اور ایمانی بصیرت سے محسوس کیا، اور ارضِ حرم پر آج سے اسی (۸۰) سال قبل ایک اعلیٰ تعمیری مقصد کی ابتدا کی۔ قدرت کی غیبی تائید اس جلیل القدر شخصیت کے مبارک ارادوں کے ساتھ تھی۔ اس لئے خلوص وللّٰہیت کے وہ پائندہ آثار کعبہ کے زیرِ سایہ استوار ہوئے اور یہ کارنامہ ایک عظیم الشان کارِ خیر کی حیثیت سے اُس اولوالعزم ''مجاہد معمار'' کی اسلامی غیرت وحمیت اور عملی قربانیوں کی یادگار ثابت ہوا۔

اسلامی دنیا کے طول وعرض میں یہ جاننے والے کچھ کم نہیں کہ **دار العلوم حرم صولتیہ** سرزمینِ حرم پر کعبہ کے زیرِ سایہ آپ کا ایک مذہبی اور علمی سرچشمۂ فیض ہے اور مکہ معظمہ میں اسلامی دنیا سے آنے والے شائقینِ علم کا ایک اسی (۸۰) سالہ مرکز ہے جو آپ کے نام سے دنیا میں مشہور ہے۔

مگر بانیٔ مدرسہ، فخر العلما، مجاہد اسلام ''پایۂ حرمین شریفین'' حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ کی ذاتِ گرامی غیر معمولی شخصیت، علمی خدمات، اسلام اور مسلمانوں کے لئے ان کی یادگار زمانہ قربانیوں سے موجودہ دَور کا نیا طبقہ عام طور پر ناواقف ہے۔ دار العلوم حرم صولتیہ کی مرکزی اہمیت کا حقیقتاً تعلق اس کے بانی اور داعیٔ اول کی تاریخِ حیات سے ہے۔ ماہِ رجب ۱۳۷۰ھ کے ماہنامہ ''ندائے حرم'' میں اس ''ذکرِ کہن'' کے متعلق جو اہم مواد شائع ہوا ہے اس کا بیشتر حصہ اس ''مجموعہ'' میں آپ کے پیشِ نظر ہے، جس کے مطالعہ سے گذشتہ صدی کے کچھ تاریخی واقعات اور حالات کی ایک جھلک آپ کے سامنے آجائے گی۔ والسلام۔

۱۰ر شوال ۱۳۷۱ ہجری
مطابق ۲ر جولائی ۱۹۵۲ عیسوی

محمد سلیم عفی عنہ
ناظم دار العلوم حرم مدرسہ صولتیہ، مکہ معظمہ

Madrasa Saulatiya, Post Box No. 114
Makkah, Saudi Arabia, (K.S.A.)
Website: www.alsawlatiyah.com
Email: alsawlatiyah@hotmail.com
Fax & Phone No.: 00966-2-5425105 Fax Timing: (India) 11 A.M. to 1 P.M.

حامداً و مُصلّیاً

اسلام کی فتح ونصرت

مسلمانانِ ہند کی مذہبی تاریخ کا اہم باب

گذشتہ صدی کا ماہ رجب ۱۲۷۰ھ مسلمانانِ ہندو پاکستان کی مذہبی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، جس میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے مغربی قوت واقتدار اور عیسائیت کے غلبۂ تسلط کے باوجود عظیم الشان فتح ونصرت عطا فرمائی۔

زمانہ بدل چکا، خیالات ورجحانات میں غیر معمولی انقلاب رونما ہے۔ سیاسی پیچیدگیاں اور ہنگامہ آرائی، معاشی مشکلات، باہمی تفریق واختلاف کے اس دور میں یہ فرسودہ بیانی بظاہر بے وقت کی راگنی ہے۔ دماغی بے اعتدالی اور برق رفتاری کے ساتھ دنیا ایک نامعلوم سمت کی طرف جارہی ہے۔ اس بھاگ دوڑ میں کسے فرصت ہے کہ وہ مڑکر پیچھے دیکھے، اور موجودہ نسل کسی ذکرِ کہن کو سننے کے لئے تیار ہو...... مگر تاریخ کا نام جب تک دنیا میں زندہ ہے اور زندہ قومیں اپنی مذہبی اور قومی تاریخ اور شاندار کارناموں کو جب تک اپنا سرمایۂ حیات سمجھتی رہیں گی اس وقت تک ہر پرانی یاد اور پرانا تذکرہ، گذرے ہوئے حالات اور واقعات منصۂ شہود پر کسی نہ کسی عنوان سے ضرور آتے رہیں گے۔

دنیا گہوارۂ انقلاب ہے۔ ہندوستان قدیم میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے ہم دوش مذہب عیسوی نے بھی فروغ حاصل کیا اور ہر ممکن صورت سے اس مغلوب ملک کو مذہبی حیثیت سے بھی فتح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ کمپنی کی تائید واعانت سے مذہب مسیحی کی تنظیم اور ترقی عمل میں آتی رہی۔ ملک کے طول وعرض میں ہر جگہ اس تنظیم کے آثار قائم کئے گئے، چرچ مشن سوسائٹی، بائبل سوسائٹی، مشن فنڈ، مشن اسپتال، مشن کالج اور مدارس جابجا قائم ہوئے۔ مذہبی کتابوں اور اخبارات ورسائل کی اشاعت کے ذریعہ عوام کے رجحانات وعقائد کو بدلنے کی مہم جاری کی گئی۔ یہ صرف مذہبی جدوجہد نہ تھی بلکہ خود حکومت (کمپنی) کی ملکی سیاست اور عملی تائید بھی شریک تھی۔

مشنریوں کو مالی امداد دی جاتی تھی اور ممتاز حکام ان کی ہر ممکن سرپرستی کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے۔ حکامِ وقت کا اثر و رسوخ کوئی معمولی چیز نہیں، اس لئے مسیحی تحریک کو یہاں تک تقویت پہنچ چکی تھی کہ جب دہلی میں ۱۸۵۷ء میں ''عہدۂ بشپ'' قائم کرنے کا سوال پیش ہوا تو اس وقت یہ تجویز بھی مدنظر تھی کہ جامع مسجد دہلی کو گرجا بنا دیا جائے۔ اس صورتِ حال کا ناگزیر اثر تھا کہ ہندِ قدیم میں خاص طور پر مسلمانوں کو انگریزی حکومت سے تنفر پیدا ہوا اور مسیحیت کی اشاعت میں قوت و سیاسی اقتدارِ اعلیٰ سے کام لینے کی بنا پر مذہبی مدافعت کی اہم ضرورت پیش آئی۔ اسلام کی صداقت و حقانیت کے خلاف جو سازش کی جارہی تھی اس پر ربّانی علما کب صبر و سکوت کر سکتے تھے۔ اس دور کے وہ مجاہد علما جنھوں نے جرأت و ہمت سے کام لے کر ہندوستانِ قدیم کے مسلمانوں کو فتنۂ مسیحیت کی مصیبت اور بلا سے نجات دلائی ان کے متعلق مولانا حالیؔ مرحوم فرماتے ہیں:

''ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے، اگرچہ قحط کے دوران میں ان کو دبلا پتلا شکار پیٹ بھر اؤ مل جاتا تھا مگر وہ اس پر قانع نہ تھے اور ہمیشہ صیدِ فربہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ دانت ان کا مسلمانوں پر تھا، اس لئے ان کی منادیوں میں، ان کے اخباروں میں، ان کے رسالوں میں زیادہ تر بوچھار اسلام پر ہوتی تھی۔ اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے۔ بانی اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع واقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب ان کے دام میں آگئے۔ اس خطرہ سے بلاشبہ علما اسلام جیسے مولانا آلِ حسن، مولانا رحمت اللہ مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ متنبہ ہوئے۔ اُنھوں نے متعدد کتابیں عیسائیوں کے مقابلے میں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظرہ کئے، جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ ردِّ نصاریٰ میں تالیف و تصنیف اور پادریوں سے مقابلہ و مناظرہ کا سلسلہ ایک جماعتی نہ سہی لیکن انتظامی شکل میں شروع ہو گیا تھا۔ قدرتی طور پر ہر جگہ مسجدیں تھیں، علمائے کرام کے وہ گڑھ تھے۔ اس انقلابی تحریک کے چلنے میں کوئی دشواری پیدا نہیں ہوئی۔ رہنما کی ضرورت تھی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی سے بہتر

کون ثابت ہوسکتا تھا۔ انھوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور اس کام کے لئے دہلی، آگرہ کو مرکز قرار دیا۔ یہاں بھی مولانا نے تصنیف و تالیف کا کام کیا۔ ان کی جماعت میں ہندوستان کے انتہاپسند اور حضرت اسماعیل شہید کے فدائی مسلمان تھے، جن کی تعداد کافی تھی۔"

اس تحریک کا ذکر پادری فنڈر اس طرح تعلّی کے ساتھ کرتا ہے:

"یہاں (آگرہ) کے علماء اسلام دہلی کے علماء کے ساتھ مل کر گذشتہ دو تین سال سے کتابِ مقدس کا اور ہماری کتابوں اور مغربی علما کی تنقیدی کتب اور تفاسیر کا مطالعہ کررہے تھے تاکہ وہ کتابِ مقدس کو غلط اور باطل کرسکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی کے عالم مولوی رحمۃ اللہ (کیرانوی) نے دو کتابیں تصنیف کیں۔ جنوری ۱۸۵۴ء میں، جب میں یہاں نہیں تھا، وہ آگرہ آیا تھا کہ اپنے احباب کے ساتھ اُن کتب کو چھپوانے کا انتظام کرے۔ مباحثہ ہوا، تقریباً ایک سو مسلمان علما مولوی رحمۃ اللہ کی مدد کے لئے جمع تھے اور دوسرے روز اس کی دوگنی تعداد تھی۔"

یہ علما بلا کسی معاوضہ کے ردِّ نصاریٰ میں اپنا وقت صرف کرتے رہے اور ہر صوبہ اور ہر ضلع میں اُن کے شاگرد ردِّ نصاریٰ کا فرض ادا کرتے تھے۔ اگر کوئی خاص معاملہ یا مناظرہ ہوتا تھا تو مرکز سے علماء کرام ان کا مقابلہ کرنے کے لئے جاتے، جس سے پادریوں اور عوام پر خاطر خواہ اثر ہوتا تھا، جو ان کی رپورٹوں میں موجود ہے، اگرچہ وہ مخالفانہ و معاندانہ انداز میں ہے، لیکن واقعات کے ڈھنگ اور عیسائیوں کے طرز سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ علماء کرام ہر ضلع میں ان کے مدمقابل تھے اور ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ چنانچہ پادری فرنچ، انچارج ضلع ملتان کی رپورٹ میں ہے:

"ملتان کے مُلّا سید اور مخدوم سب اس بات کے لئے کوشش کررہے تھے کہ خدا کی روشنی کو داخل نہ ہونے دیں۔ یہ دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمۃ اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں کے جنھوں نے اسلام کا طرف دار ہوکر ڈاکٹر فنڈر سے مباحثہ کیا تھا، دوست تھے۔"

حیاتِ شبلی کے دیباچہ میں علامہ سید سلیمان ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''انگریزوں کے برسرِ عروج آتے ہی تین طرف سے حملوں کا آغاز ہوا۔ عیسائی مشنریوں نے اپنی نئی نئی سیاسی طاقت کے بل بوتے پر اسلام کے قلعۂ روئین پر حملے شروع کردیئے۔ دوسری طرف ہندوؤں میں آریہ تحریک نے اپنے سابق مسلمان حکمرانوں سے نجات پاکران پرحملہ کی جرأت پائی اورسب سے آخر میں یورپین علوم وفنون اورتمدن کی ظاہری چمک دمک مسلمانوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔ خدا نے عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خاں (آگرہ) اوراس کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولانا رحم علی منگلوری، مولانا عنایت رسول چڑیاکوٹی، مولانا سید محمد علی مونگیری وغیرہ اشخاص پیدا کئے، جنھوں نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کے پرزے اڑادیئے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا وجود تو ردِ عیسائیت کے باب میں تائید غیبی سے کم نہیں، اورکون باور کرسکتا تھا کہ اُس وقت میں پادری فنڈر کے مقابلہ کے لئے ڈاکٹر وزیر خاں جیسا آدمی پیدا ہوگا جو عیسائیوں کے تمام اسرار کا واقف اوران کی مذہبی تصنیفات کا ماہرِ کامل اور عبرانی و یونانی کا ایسا واقف ہوگا جو عیسائیوں کو خود انہی کی تصنیفات سے ملزم ٹھہرائے گا اور مولانا رحمت اللہ کے ساتھ مل کراسلام کی حفاظت کا ناقابل شکست قلعہ دم کے دم میں کھڑا کردے گا۔

آریوں کے دیانند سرسوتی کے مقابلہ کے لئے خاص طور پر مولانا محمد قاسم کا ظہور بھی تائید غیبی ہی کا نشان ہے، اور پھر جس طرح عقائد حقہ کی اشاعت اور ردِّ بدعات کا اہم کام مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد گنگوہی اوراس جماعت کے دیگر مقدس افراد کے ذریعہ انجام پایا اس کے آثارِ باقیہ اب بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔''

۱۲۷۰ھ کے ماہِ رجب میں حضرت مولانا رحمت اللہ اور پادری فنڈر کے درمیان آگرہ میں یادگارِ زمانہ مناظرہ منعقد ہوا۔ جس میں حق کو فتح وکامیابی اور باطل کو ہزیمت وشکست ہوئی۔ یہ حالات آئندہ سطور میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ بالعموم حضرت مولانا رحمۃ اللہ کو پاکستان و ہند

کی موجودہ دنیا ''بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ'' کی حیثیت سے جانتی ہے، مگر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدانہ کارناموں اور مدافعت اسلام کی عظیم الشان خدمت سے واقف نہیں۔ باخبر خواص یقیناً واقف حال ہیں اسلام کی اس قابلِ فخر نصرت وکامیابی کے صد سالہ یادگاری ذکر خیر کے ساتھ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کے مختصر حالاتِ زندگی ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

ابتدائی حالات

حضرت مولانا محمد رحمت اللہؒ محلہ دربار کلاں، قصبہ کیرانہ، ضلع مظفر نگر میں ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بعض قلمی یادداشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قصبہ کیرانہ قدیم زمانہ میں چوہان راجپوتوں کی راجدھانی رہ چکا ہے۔ جونڈلہ اور بانسہ ضلع کرنال میں جو چوہان آباد تھے ان کے مورثِ اعلیٰ رانا ہرہ کی اولاد میں سے رانا کلسہ کیرانہ کا حکمراں تھا، جس کی وجہ سے قصبہ اور نواح کے چوراسی (۸۴) گاؤں ''کلسیان گوجر'' کہلاتے ہیں۔ رانا کلسہ چوہان راجپوت تھا، مگر کیرانہ اور اس کی نواح میں گوجر قوم آباد تھی، اس لئے رانا نے اسی قوم میں شادی کی۔ رانا کلسہ سلطان محمود غزنوی کا معاصر تھا۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں سلطان کی اجازت سے سید سالار مسعود غازیؒ مجاہدین کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہوئے اور کیرانہ ہوکر جھنجانہ پر حملہ کیا۔ شہر کے شمالی اور غربی نواح میں آج تک مزارِ شہدا موجود ہیں۔ ایک قبر چند گز طویل شہر کے شمالی جانب میں ہے جو عرب شہدا کی قبر بتائی جاتی ہے۔ اس میں بہت سے شہدا کو ایک جگہ دفن کردیا گیا ہے۔ سید سالار مسعود غازی کے کیرانہ پر حملہ کی یادگار آج تک سالاری قوم قصبہ میں موجود ہے۔ یہ عرب نژاد قوم قصبہ میں شتربانی کا کام کرتی ہے اور اونٹ ان کا ذریعہ معاش ہیں۔ کیرانہ میں سب سے پہلے یہی سالاری قوم آباد ہوئی۔ سلاطین تغلق کے زمانہ میں شیخ علاء الدین انصاری اس نواح کے منصبِ قضا پر مقرر ہوئے۔ اس وقت سے انصار کیرانہ میں آباد ہیں۔ شیر شاہ کے زمانہ میں ''کاکڑ زئی'' افغان آباد ہوئے، جن کی اولاد اب تک موجود ہے۔

حضرت مولانا (رحمۃ اللہ علیہ) کا نسب نامہ

رحمت اللہ بن خلیل اللہ المعروف بہ خلیل الرحمٰن بن حکیم نجیب اللہ بن حکیم حبیب اللہ بن حکیم عبدالرحیم بن حکیم قطب الدین بن شیخ حکیم فُضیل بن حکیم دیوان عبدالرحیم (برادر نواب مقرب خاں) بن حکیم عبدالکریم المعروف بہ حکیم بینا المقلب بہ ''شیخ الزماں'' بن حکیم حسن بن عبدالصمد بن ابوعلی بن محمد یوسف بن عبدالقادر بن کبیر الاولیار حضرت مخدوم جلال الدین محمد بن محمود بن یعقوب بن عیسیٰ بن اسماعیل بن محمد تقی بن ابی بکر بن علی نقی بن عثمان بن عبداللہ بن شہاب الدین بن شیخ عبدالرحمٰن گاذرونی بن عبدالعزیز سرخسی بن خالد بن ولید بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کبیر مدنی بن عبداللہ الثانی بن عبدالعزیز کبیر بن عبداللہ کبیر بن عمرو بن امیر المومنین ذوالنورین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

ہندوستان میں عثمانیوں کا نسب نامہ نسلاً بعد نسلٍ اس قدیم تاریخی طومار میں محفوظ ہے جو حضرت کبیر الاولیار مخدوم جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پانی پت میں موجود ہے اور جس کی متعدد نقول بعد عثمانی النسب اہل پانی پت کے پاس ہیں۔ اصلی طومار میں ہر عثمانی جلالی کے نام کا اندراج کم از کم بیس جلالی النسب اشخاص کی موجودگی میں ہوتا تھا، مگر افسوس ہے کہ آں قدح بشکست۔

حضرت مخدوم کبیر الاولیار رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ سے ہمیشہ استدعائے بیعت کیا کرتے تھے اور قلندر صاحب ہمیشہ یہ جواب دیتے کہ ''تمہارا مرشد آنے والا ہے، ابھی صبر کرو ہم بتادیں گے۔'' جب حضرت خواجہ شمس الدین صاحب ترک رحمۃ اللہ علیہ واردِ پانی پت ہوئے تو قلندر صاحب نے مخدوم صاحب سے فرمایا کہ جاؤ تمہارے پیر آرہے ہیں، ان کا استقبال کرو۔ آپ گھوڑے پر سوار شہر سے باہر نکلے، دیکھا کہ ایک فقیر چلے آرہے ہیں۔ سلام کے بعد خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ''میاں جوان! ذرا اپنے گھوڑے کی چال تو دکھاؤ۔'' آپ نے باگ اٹھائی اور گھوڑے کو دوڑایا۔ خواجہ صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ''زہے اسپ وزہے سوار۔'' مخدوم صاحب پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور آپ گھوڑے پر

سے گرے۔ خواجہ صاحب نے سینے سے لگایا اور جو کچھ دینا تھا دیا، اور بیعت کر کے خلافت عطا فرمائی۔ حضرت مخدوم صاحب کو مطالعہ قلندر صاحبؒ کرا چکے تھے، لیکن تعلیم خواجہ شمس الدین صاحب ترک پانی پتیؒ پر منحصر و موقوف تھی جو پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ مخدوم صاحب کا وصال پانی پت میں ۱۳؍ربیع الاول ۷۶۵ھ کو ہوا۔ پانی پت میں محلہ مخدوم زادگان میں آپ کی اولاد موجود اور آباد تھی جو انقلاب ۱۹۴۷ء میں منتشر ہوگئی مگر درگاہ مخدومؒ صاحب اور مسجد وغیرہ باقی ہے۔

ہندوستان میں عثمانیوں کی آمد

سلطان محمود غزنوی (وفات ۲۳؍ربیع الاول ۴۲۱ھ مطابق ۲۹؍اپریل ۱۰۳۰ء) کا جس ماحول میں نشو و نما ہوا اس کا اثر ہے کہ وہ ابتدا سے اہل علم اور ارباب کمال کا دلدادہ تھا۔ اس کی زندگی پر اس واقعہ کا بہت گہرا اثر ہے کہ اس نے اپنے خوشنما باغ میں ایک دلکش مکان تعمیر کیا جس کے جشن میں اس نے دوسرے امراء اور اعیانِ مملکت کے ساتھ اپنے باپ امیر سبکتگین کو بھی مدعو کیا۔ باپ نے باغ اور مکان کے دلفریب ماحول کو بے حد پسند کرتے ہوئے اپنے ہونہار لائق ولی عہد کو جو قیمتی نصیحت کی وہ یہ تھی:

> ''ایسے باغ اور مکان تو دوسرے امیر بھی بنوا سکتے ہیں، تم کو وہ عمارت تعمیر کرنی چاہیے جس کی برابری کوئی دوسرا نہ کر سکے۔'' محمود نے پوچھا ''ایسی عمارت کون سی ہے۔'' باپ نے جواب دیا کہ ''وہ اہل علم و فضل کے دلوں کی تعمیر ہے جو کوئی نہال احسان ان کی زمینِ دل میں لگائے اس کا ثمرہ ہمیشہ پائے۔''

اس قسم کی مشفقانہ نصائح و ہدایات اور اس زمانہ کے قدر شناس ماحول میں مذہبی اور دینی تربیت کا نتیجہ تھا کہ سلطان محمود غزنوی علماء اور اہلِ کمال کا ہمیشہ قدر دان رہا۔ اس کو علوم و فنون سے طبعی لگاؤ تھا۔ ہر کام میں کفایت شعاری مدنظر رہتی، مگر ہنر پروری میں اس کا فیض عام تھا۔ علماء کے لئے وظائف اور تنخواہیں مقرر تھیں۔ دارالعلوم، کتب خانے، عجائب خانے وغیرہ اس کی علم نوازی کا ثبوت تھے۔ اس کے دربار میں علماء، ادباء اور شعراء جمع رہتے۔ عصائریؔ، رازیؔ،

اسدؔی، طوسؔی، منوچہر بلخی، حکیم عنصرؔی، عسجدؔی، فرخؔی، دقیقؔی اور علامہ ابوریحان جیسے یگانۂ عصر شعراء اس کے عہد میں پائے گئے۔

یہی پہلا مسلمان حکمران ہے جو سلطان کے لقب سے موسوم ہوا۔ سلطان محمود غزنوی کی دین پروری اور علماء نوازی سے سلطنت کے اکثر و بیشتر عہدوں پر قابل اور لائق دینی حکام مقرر تھے۔ فوج کی تنظیم کا بھی خاص اہتمام تھا۔ فوجی عہدوں میں بھی علماء کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ حضرت مولانا (رحمۃ اللہ علیہ) کے جدِّ اعلیٰ شیخ عبدالرحمٰن گاذرونی، سلطان محمود غزنوی کی فوج میں شرعی حاکم تھے۔ یہ عہدہ ''قاضی عسکر'' کے نام سے خلفائے آلِ عثمان رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں بھی ہمیشہ رہا، اور آخری خلیفہ سلطان محمد رشاد خاں خامس مرحوم کے زمانہ تک اس عہدہ پر ممتاز اور متدین علماء مقرر کئے جاتے تھے جو فوج کے تمام شرعی معاملات و مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے۔ شیخ عبدالرحمٰن گاذرونیؒ (گاذرون یا گاذران توابعات شیراز میں مشہور مقام تھا) سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ ''قاضی عسکر'' کی حیثیت سے ہندوستان آئے، اور جب سلطان محمود غزنوی نے سومنات کے مندر پر حملہ کیا تو یہ فوج کے ساتھ شریکِ جہاد تھے۔ فتحِ پانی پت کے بعد یہیں مقیم ہوئے۔ پانی پت میں زیر قلعہ مدفون ہیں۔ آپ کی قبر پانی پت میں ایک چھوٹے سے احاطہ کے اندر مشہور و معروف ہے۔

حضرت مولانا (رحمۃ اللہ علیہ) حکیم محمد حسن و حکیم عبدالرحیم ابناء حکیم عبدالکریم المعروف بہ ''حکیم بینا'' طبیب دربار اکبری کے خیر الخلف تھے۔ کشمیر سے واپسی کے بعد لاہور کے قریب چاندنی رات میں بادشاہ اکبر ہرنوں کی لڑائی کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اتفاق سے ایک ہرن اپنے حریف کو چھوڑ کر اکبر کی طرف جھپٹا اور اس کی دونوں ران کے بیچ میں سینگ مارا۔ زخم ہو گیا، ورم اور تکلیف بڑھتی گئی۔ علاج سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو ابوالفضل کی رائے سے حکیم بینا کو پانی پت سے معالجہ کے لئے بلایا گیا۔ ایک ماہ سات روز کے بعد صحت ہو گئی۔ شہنشاہِ اکبر نے حکیم بینا کو ''شیخ الزماں'' کا شاہی خطاب عطا کیا۔ حکیم محمد حسن بھی اپنے والد کے ساتھ بادشاہ کے علاج میں ہمہ تن مصروفِ خدمت رہے، اس لئے موردِ الطافِ شاہی ہوئے اور کیرانہ بطورِ جاگیر عطا ہوا۔ فرمان کی نقل درج ذیل ہے:

فرمان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ

بضمن معافی وعطائے جاگیر کیرانہ مع علاقہ

خوانین رفیع مقدار و سلاطین و امرائے باوقار و صد ر وزرار کفایت شعار وعمال ممالکِ ہندوستان صانہا اللہ عن آفات الزماں۔ چوں فضائل مآب کمالات اکتساب حکمت شعار، مسیحا آثار، شیخ حسن درازالہ امراض واعراض انسان بقدر الوسع والامکان بساط احسان وامتنان بظہور رسانیدہ و مے رساند، بنابراں عنایات والتفاتِ بے غایات شامل حال وکافل آمال ان فضائل مآب گردانیدہ۔

فرمان واجب الاتباع شرف نفاذیافت کہ موازی پانصد بیگہ زمین مزروع از موضع ڈوماکھیڑی، کھندراولی پرگنہ کیرانہ من اعمال میان دوآب حضرتِ دہلی بعوض مبلغ دہ ہزار تاگہ وادیکہ ازاں موضع بموجب فرمان عالی شان حضرت ودوقلبہ زمین ازسواد قصبہ پرگنہ مذکور متعلق بمشارالیہ مفوض ومتعلق بمشارالیہ بودہ باشد، کہ واجبی آنرا سال بسال کسویحال افزوندومعاش خود کندوازالۂ امراض زمرۂ انام بغایت اہتمام بظہور رساندو داروغہا وعمال آں پرگنہ رامی باید کہ زمین ہائے مذکوررا بتصرف اوگذارندواخراجات وکل تکالیف حبوبی مزاحمت نسازند، ومضاف ومسلم دانستہ ہیچ وجہ پرامون نگردندوہرسال بفرمان محتاج ندارند۔

تحریر ہذا فی شہر ذیقعدہ ۹۱۵ ہجری

حکیم محمد حسن شاہزادہ سلیم کے طبیب خاص تھے۔ شاہزادہ نے ''مقرب خاں'' خطاب دیا۔ جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد ''مقرب الخاقان'' اور ''نائب السلطان'' کے خطابات سے نواب مقرب خان کو معزز کیا اور پنجہزاری کا منصب دیا۔ تخت نشینی کے کچھ عرصہ کے بعد جہانگیر نے نواب مقرب خاں کو صوبہ دکن و گجرات کا گورنر مقرر کیا۔ ۱۶۱۸ء میں شہزادہ شاہجہاں جب وہاں بھیجے گئے تو نواب مقرب خان کو صوبہ بہار کا گورنر معین کیا۔ مسٹر ہوجز (Hodjes) انگریزی سیاح ومصور اُن کی صوبہ داریٔ بہار کے زمانہ میں جولائی ۱۶۲۰ء میں پٹنہ آیا تھا اور نواب مقرب خاں کا مہمان رہا۔ حسن سلوک سے اس کے ساتھ پیش آئے۔ مسٹر ہوجز کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ

اس پر نواب مقرب خاں کا رعب بہت غالب تھا اور یہ خطوط شکریہ کے جذبات سے لبریز نظر آتے ہیں جن میں نواب صاحب کے بہت سے حالات لکھے گئے ہیں ۱۶۲۱ء میں صوبہ دہلی و آگرہ کی حکومت پر سرفراز ہوئے۔ شاہجہاں جب تخت نشین ہوئے تو نواب مقرب خاں کو مزید اعزاز و اکرام کے ساتھ مضافات کیرانہ کے پرگنے جاگیر میں عطا ہوئے۔ نواب مقرب خاں کے لڑکے حکیم رزق اللہ، شاہجہاں کے طبیب دربار اور ہشت صدی منصب دار تھے۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم رزق اللہ کو خطاب ''خانی'' مرحمت فرمایا۔ ۱۶۶۸ء میں حکیم رزق اللہ نے وفات پائی۔

دیوان عبدالرحیم اور دیوان عبدالحکیم نواب مقرب خاں کے یہ دونوں چھوٹے بھائی بھی اصحابِ مناصب وجاہ تھے۔ دیوان عبدالرحیم نواب مقرب خاں کی گورنریٔ دکن و گجرات وغیرہ کے زمانہ میں طبیب دربار جہانگیری رہے۔ ان کی اولاد میں آج تک طب کا سلسلہ اور خدمتِ خلق کا جذبہ باقی ہے۔ دیوان حکیم عبدالرحیم کی اولاد میں ہر ایک اپنے وقت کا کاملِ فن طبیب تھا۔

حکیم وجیہ الدین مصنف کتاب ''مخزنِ حکمت'' طب ویدک جو ۱۱۹۶ھ میں لکھی گئی اور حکیم علی اکبر مرحوم برادر حضرت مولانا رحمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۹۱۵ھ میں فرمان اکبری کے مطابق کیرانہ ومضافاتِ کیرانہ نواب مقرب خاں کو بطورِ جاگیر عطا ہوا تو عثمانی النسب جلالی خاندان کا یہ حصہ پانی پت کی سکونت ترک کر کے کیرانہ میں آباد ہوا۔ اس معمولی قصبہ کی توسیع و تنظیم کی گئی۔ قصبہ سے باہر نواب مقرب خاں اور دیوان عبدالرحیم نے اپنے محلات، کچہریاں اور متعلقین ریاست کے مکانات وغیرہ بنائے جواب قصبہ کی آبادی کا ایک جزو ہیں۔ نواب مقرب خاں نے کیرانہ میں آموں اور دیگر اقسام کے پھلوں کا باغ لگایا جس میں گجرات دکن اور دور دست ممالک سے آموں کے درخت منگا کر لگوائے۔ ایک سو چالیس بیگہ اس باغ کا رقبہ تھا۔ باغ کے وسط میں دو سو بیس گز لمبا دو سو گز چوڑا حوض بنوایا۔ حوض کے اندر ماہتابی وغیرہ بیس گز مربع میں بنوائی۔ اس حوض میں جمنا کا پانی ایک طرف سے آتا اور دوسری طرف سے نکلتا تھا۔ سرد اور گرم ملکوں کے درخت نصب کرائے۔ سولہویں جلوس میں جہانگیر خود کیرانہ آیا۔ اس باغ کی تفصیلات ''تزک جہانگیری'' میں موجود ہیں۔ جہانگیر لکھتے ہیں:

''مخلص ومحبِ خاص، یار وفادار مقرب خاں متمنی تھا کہ میں اس کے یہاں آؤں۔ میں نے اس کے گھر کو قدوم میمنت لزوم سے قابل رشک بنادیا اور اس خیر خواہ قدیم کو بیش قیمت سامان، قیمتی جواہرات تین لاکھ روپے، ایک باغ اور ایک وسیع مکان دیا۔''

نواب مقرب خاں کے لگائے ہوئے باغ کے آم حسب روایت ''تاج الماثر'' مدتوں تک دہلی میں مشہور ومرغوب رہے۔ وہ پرانی دنیا اگرچہ انقلاب ۱۸۵۷ء میں اجڑ چکی مگر یہ یادگارِ زمانہ باغ جس زمین پر قائم تھا وہ اب بھی ''نولاکھا زمین'' کے نام سے معروف ہے۔ مشہور ہے کہ اس باغ میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے نولاکھ درخت تھے۔ باغ میں نواب مقرب خاں کی بنائی ہوئی بارہ دری بھی موجود ہے۔ جس زمانہ میں نوابؒ مقرب خاں گجرات کے گورنر تھے اور بندرگاہ سورت بھی ان کے زیر اثر تھی۔ اس وقت انھوں نے اپنی حکمت عملی سے سات جہاز جو مدت سے غرقاب تھے سمندر سے نکلوائے۔ علاوہ دیگر اشیار کے کسوٹی (سنگ سماق) کے چند ستون نادرالوجود بھی برآمد ہوئے۔ ان اشیار کی اطلاع شہنشاہ جہانگیر کو دی گئی۔ شاہی حکم سے یہ تمام سامان نواب مقرب خاں کو عطا ہوا۔ مذکورہ بالا تالاب کے وسط میں چبوترہ پر جو بنگلہ تعمیر کیا گیا تھا اس میں کسوٹی کے یہ ستون لگوائے گئے جو اب حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پانی پت میں نصب ہیں۔ نواب مقرب خاں کے اس باغ کے مشرقی جانب سنگین عمارات کا سلسلہ تھا جو ''دربار'' کے نام سے معروف تھا۔ یہاں عدالتیں، فیل خانے اور ریاست کے دفاتر وغیرہ تھے۔ باغ کے دوسری جانب سکونتی محلات وغیرہ تھے جو ''نواب دروازہ'' کے نام سے اب تک موسوم ہے۔ یہ پرانی عمارتیں زمانے کے ناسازگار حالات اور پھر انقلاب ۱۸۵۷ء کی تباہ کاری میں برباد ہوگئیں، مگر دربار اور نواب دروازہ کے سر بفلک اور عالی شان پھاٹک، نقار خانے اور کچھ عمارتیں پرانی شان وشوکت کی یاد کو زندہ اور باقی رکھنے کے لئے اب تک موجود ہیں۔ الدوام للہ۔ نواب صاحب کا مزار پانی پت میں حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کے احاطہ میں موجود ہے۔ قبر کا تعویذ اصلی زہر مہرہ کے ایک ٹکڑے کا ہے جس کا وزن ۲۷ من کا بیان کیا جاتا ہے۔ دیوان عبدالرحیم کے مزار کا افسوس ہے کہ پتہ نہ چل سکا۔ غالباً دہلی میں مہرولی وغیرہ کے قریب کہیں ہے۔

تحصیل علم اور اساتذہ

حضرت مولانا رحمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت اسی ''محلہٴ دربار'' میں اپنے آباواجداد کے ان تاریخی مکانات میں ہوئی۔ بارہ برس کی عمر میں قرآن ختم کرنے کے ساتھ دینیات اور فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھیں، اس کے بعد دہلی بغرضِ تعلیم تشریف لے گئے اور مولانا محمد حیاتؒ کے مدرسہ میں داخل ہوئے۔ قیام بھی مدرسہ میں رہا۔ ۱۲۵۰ھ میں حضرت مولانا مرحوم کے والد مولوی خلیل اللہؒ مرحوم دہلی میں مہاراجہ ہندوراوٴ بہادر کے میر منشی مقرر ہوئے اور دھیرج پہاڑی کے قریب ان کا قیام ہوا تو مولانا اپنے والد ماجد کے پاس تشریف لے آئے۔ دن میں مدرسہ مولانا محمد حیات میں تعلیم حاصل کرتے اور رات میں مہاراجہ کو اکبرنامہ سناتے تھے۔ کچھ عرصہ تک حضرت مولانا مرحوم نے بھی مہاراجہ ہندوراوٴ کے یہاں بحیثیت میر منشی کام کیا ہے۔ تحصیل علم کا شوق مولانا کو لکھنوٴ لے گیا۔ چند رفقاء کے ساتھ آپ لکھنوٴ پہنچے اور مفتی سعد اللہ مرحوم سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) مولانا محمد حیات صاحبؒ۔

(۲) مولانا مفتی سعد اللہ صاحبؒ۔

(۳) مولانا احمد علی صاحبؒ، بڈولی ضلع مظفرنگر، جو آخر میں وزیر ریاست پٹیالہ ہوگئے تھے۔

(۴) عارف باللہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب چشتیؒ، یہ استادِ شاہِ وقت تھے۔ تمام علوم وفنون میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ اس سے استفادہ کے زمانے میں حضرت مولانا کے رفقاء میں مولانا عبدالرحمٰن پنجابی اور مولانا سید محمد علی صاحب بھی تھے جو اپنے وقت کے فاضل اور صاحبِ فیض بزرگ مانے جاتے تھے۔ مولانا شاہ عبدالرحمٰن چشتی اور ان کے استاد مولانا محمد حیاتؒ مرحوم بستی نظام الدین اولیاء دہلی میں مدفون ہیں۔

(۵) مولوی امام بخش صہبائی صاحب۔

(۶) حکیم فیض محمد صاحب، حکیم صاحب اپنے زمانے کے مشہور باکمال طبیب تھے، خاندانی

روایات کے مطابق حضرت مولانا مرحوم نے حکیم صاحب سے علمِ طب کی تکمیل کی۔

(۷) مصنف لوکارثم سے ریاضی حاصل کی۔

ہندوستان میں حضرت مولانا کے درس و تدریس کا زمانہ بہت محدود ہے۔ زمانے کے ناسازگار حالات اور خاص طور پر ہندوستان میں نصاریٰ کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کی فکر نے آپ کو اس کا موقعہ نہ دیا کہ اطمینان کے ساتھ تعلیم و تدریس کا فیض عام جاری کرتے۔ تکمیل تعلیم اور اکبر آباد آگرہ کے یادگارِ زمانہ مناظرہ کے درمیانی عرصہ میں چند سال تک دربار کیرانہ کی مسجد میں حضرت مولانا نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ کے فیضیاب طلبار میں سے چند خاص نام درج ذیل ہیں جو ہندوستان میں حضرت مولانا کے خاص تلامذہ تھے، ان میں سے بعض اصاحب نے مکہ معظمہ بھی پہنچ کر حضرت مولانا سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

(۱) مولانا عبدالسمیع رامپوری، مصنف حمد باری۔

(۲) مولانا احمد الدین چکوالی۔

(۳) مولانا نور احمد امرتسری۔

(۴) مولانا شاہ ابوالخیر۔

(۵) مولانا شاہ شرف الحق صدیقی۔

(۶) مولوی قاری شہاب الدین عثمانی کیرانوی۔

(۷) مولانا حافظ الدین دجانوی۔

(۸) مولانا امام علی عثمانی کیرانوی۔

(۹) مولانا عبدالوہاب ویلوری، بانی مدرسۂ باقیات الصالحات مدراس۔

(۱۰) مولانا بدرالاسلام عثمانی کیرانوی، مہتمم حمیدیہ کتب خانہ شاہی قسطنطنیہ۔

۱۲۵۶ھ میں حضرت مولانا مرحوم کی اپنی خالہ کی لڑکی سے شادی ہوئی۔ ۱۲۵۷ھ میں پھر مہاراجہ ہندوراؤ نے آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو اپنے پاس دہلی بارہ ہندوراؤ میں بلایا اور حضرت مولانا مرحوم کو اپنا میر منشی مقرر کیا، اور ان کے والد ماجد کے ذمہ جائیداد کی نگرانی اور دیکھ

بھال کا کام سپرد ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد مولوی خلیل اللہ (عرف خلیل الرحمٰن) کا انتقال ہو گیا، اور بعض خانگی مجبوریوں کی بنا پر حضرت مولانا مرحوم نے مہاراجہ ہندوراؤ کے یہاں اپنی جگہ پر اپنے چھوٹے بھائی مولوی محمد جلیل کو ملازم رکھ کر علیحدگی اختیار کی اور کیرانہ پہنچ کر درس و تدریس کے ساتھ ردِ نصاریٰ کی مذہبی خدمت میں مصروف ہوئے اور ''ازالۃ الاوہام'' لکھنی شروع کی۔

''ازالۃ الاوہام'' زیر ترتیب تھی کہ حضرت مولانا مرحوم سخت علیل ہوئے۔ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے۔ اشارہ سے نماز ادا ہوتی تھی۔ اقربار و اعزا، تلامذہ اور تیماردار بڑھتی ہوئی کمزوری اور شدت مرض سے پریشان تھے۔ ایک روز نمازِ فجر کے بعد آپ رونے لگے۔ تیماردار سمجھے کہ زندگی سے مایوسی ہے۔ اعزا نے تسلی و تشفی کرنی چاہی۔ آپ نے فرمایا ''بخدا صحت کی کوئی علامت نہیں، لیکن انشاء اللہ صحت ہوگی۔ رونے کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اے جوان! تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوشخبری ہے کہ اگر تالیف ازالۃ الاوہام مرض کی وجہ ہے تو وہی باعث شفا ہوگی۔'' حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس خوشخبری کے بعد مجھے کوئی رنج و ملال نہیں بلکہ مسرور اور خوش ہوں اور فرطِ مسرت سے یہ آنسو نکل آئے۔ الحمدللہ کہ اس کے بعد صحت و عافیت ہوگئی اور ازالۃ الاوہام کی ترتیب و تالیف کا کام شروع کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عیسائیوں نے ہندوستان میں اسلام کے خلاف زبردست مہم جاری کر رکھی تھی۔ پادری فنڈر (Revd. C.C.P. Fonder) اور اس کی جماعت نے دل شکن تقریروں کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ پادری فنڈر کی کتاب ''میزان الحق'' نے عوام میں خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا۔ خاص طور پر علمائے کرام کی خاموشی سے مشنری کا جہلا پر کافی اثر ہونے لگا تھا اور پادری علمار کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھانے لگے تھے۔ علمار اسلام نے تیاری شروع کی۔ مقابلے کے لئے مواد فراہم کیا گیا اور اسلام کی حقانیت و صداقت اور اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے ردنصاریٰ کی مذہبی جنگ کے قائداول حضرت مولانا مرحوم نے اعلان کیا:

''میں نے ہندوستان کے سب سے بڑے پادری جو علمائے مسیحین میں ممتاز حیثیت کا مالک اور میزان کا مصنف تھا اس سے خواہش ظاہر کی کہ وہ میرے ساتھ مجمع عام میں

مناظرہ کرے تا کہ حق واضح ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ علمائے اسلام نے ان رسائل کی تردید اس لئے نہیں کی کہ وہ عاجز تھے بلکہ جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔'' (میزان الحق ص ۳)

حضرت مولانا مرحوم اپنے شفیق دوست مولوی محمد امیر اللہ صاحب میر مختار راجہ بنارس (جو پادری فنڈر سے بھی واقف تھے) کے ساتھ پادری فنڈر کے مکان پر گئے تا کہ مناظرہ کے لئے گفتگو کریں۔ پادری اپنے مکان پر نہ ملے۔ چنانچہ ۲۳ / مارچ ۱۸۵۴ء سے حضرت مولانا مرحوم نے پادری فنڈر سے خط و کتابت شروع کی۔ اس مذہبی مراسلت کا سلسلہ حضرت مولانا مرحوم کے آخری خط مؤرخہ ۷ / اپریل ۱۸۵۴ء پر ختم ہوا۔ عنوانِ مناظرہ، مقام اور تاریخِ مناظرہ طے ہوئے۔ طرفین کے اتفاق سے ابتدائی مراحل مکمل ہونے کے بعد پیر کے روز ۱۱ / رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۰ / اپریل ۱۸۵۴ء کو علی الصباح کٹرہ عبدالمسیح اکبر آباد آگرہ میں مناظرہ کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ حضرت مولانا رحمت اللہؒ کے ساتھ ڈاکٹر محمد وزیر خاں مرحوم اور پادری فنڈر کے ساتھ پادری فرنچ تھے۔ مجلس مناظرہ میں مسٹر اسمتھ حاکم صدر دیوانی مسٹر کرسچن سکنڈ صدر صوبہ بورڈ، مسٹر ولیم، مجسٹریٹ علاقۂ فوج۔ مسٹر لیڈلی ترجمان حکومت، پادری ولیم گلبن، مفتی ریاض الدین، مولوی فیض احمد سرشتہ دار صدر بورڈ، مولوی حضور احمد، مولوی امیر اللہ مختار راجہ بنارس، مولوی قمر الاسلام امام جامع مسجد آگرہ، منشی خادم علی مہتمم مطلع الاخبار و منشی سراج الحق حاضرین میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عوام کو اس مناظرہ سے بے حد دلچسپی تھی۔ سب سے پہلے پادری فنڈر نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

اعلاء کلمۃ اللہ اور مناظرہ اکبر آباد

''یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ مناظرہ کیوں کر منعقد ہوا۔ یہ مولانا رحمت اللہ کی سعی و کوشش اور خواہش کا نتیجہ ہے۔ اس سے فائدہ کی صورت میرے نزدیک نظر نہیں آتی۔ میری تمنا یہ ہے کہ دین عیسوی کی حقیقت مسلمانوں کے سامنے رکھوں۔ مباحثہ کے عنوان، نسخ و تحریف، الوہیت حیاتِ مسیح، تثلیث اور رسالت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) طے ہوئے ہیں۔''

پادری فنڈر کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ کھڑے ہوئے اور نسخ وتحریف انجیل پر فاضلانہ بحث کی اور خود عیسائیوں کی مطبوعات سے نسخ وتحریف ثابت کردیا۔ بالآخر پادری فنڈر نے ڈاکٹر محمد وزیر خاں کے جواب میں کہا کہ سات آٹھ جگہ تحریف وتبدیلی ہوئی ہے۔ مولوی قمر الاسلام صاحب امام جامع مسجد آگرہ نے منشی خادم علی خانصاحب سے فرمایا کہ ''لکھو کہ پادری صاحب آٹھ جگہ تحریف ہونے کے اقراری ہیں''۔ پادری فنڈر نے کہا کہ ''ہاں بہت اچھا ہے، لکھئے اور اس حد تک تحریف ضرور ہوئی ہے، لیکن کتب مقدسہ میں اس سے نقصان نہیں ہوا''۔ حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ''جس وثیقہ میں ایک جگہ تحریف ثابت ہوجائے تو وہ قابل اعتبار نہیں رہتا، اور جبکہ سات آٹھ جگہ کا اعتراف خود پادری صاحب کرتے ہیں''۔ وقت کافی ہوچکا تھا۔ پادری فنڈر کے ایماء پر مناظرہ دوسرے دن کے لئے ملتوی کیا گیا۔

دوسرے روز ۱۲/رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۱/اپریل ۱۸۵۴ء منگل کے دن صبح کو جلسۂ مناظرہ پھر منعقد ہوا جس میں مسٹر اسمتھ صدر دیوانی، مسٹر ریڈ صدر بورڈ، مسٹر ولیم مجسٹریٹ علاقۂ فوج، پادری ولیم گلبن، پادری ہارلی، مفتی ریاض الدین صاحب، مفتی اسد اللہ صاحب صدر الصدور، مولوی فیض احمد سرشتہ دار صدر بورڈ، مولوی حضور احمد، مولوی امیر اللہ مختار راجہ بنارس، مولوی قمر الاسلام امام جامع مسجد آگرہ، مولوی امجد علی وکیل، مولوی سراج الحق، منشی خادم علی مہتمم ''مطلع الاخبار''، مولوی امیر علی شاہ صاحب، مولوی قمر الدین خان صاحب مہتمم اسعد الاخبار، مولانا مظفر علی شاہ جعفری قادری، سید صفدر علی شکوہ آبادی، پنڈت جگل کشور، مولوی فیض احمد بدایونی، مولوی امیر اللہ وکیل، مولوی معین الدین، سید باقر علی ناظم محکمہ دیوانی، مولوی کریم اللہ خاں بچھرایونی، سید حافظ حسین، حافظ خدا بخش، ڈاکٹر الہام اللہ گوپاموی، مفتی افہام اللہ ساحر، قاضی باقر علی خاں ہمدانی، راجہ بلوان سنگھ کاشی، مولوی سید مدد علی تپش، مرزا زین العابدین عابد، ڈاکٹر مکند لال، حکیم فرحت علی گوپاموی، سید فضل حسین، ڈاکٹر وزیر الدین فرخ آبادی، حکیم جواہر لال، غلام محمد خان، خلیفہ گلزار علی اسیر، غلام قطب الدین خان باطن، مولوی سراج الاسلام اور دوسرے علماء وروسائے شہر موجود تھے۔

پہلے دن کے مناظرہ کی شہرت عام ہوچکی تھی اس لئے دوسرے دن ایک ہزار سے زیادہ

حاضرین کی تعداد تھی۔اس اجلاس میں بھی تحریفِ انجیل کی بقیہ بحث جاری رہی۔پادری صاحبان ہر موقع پر گریز کرتے رہے۔شکست خوردہ کی برافروختگی طبعی امر ہے،اس لئے پادری فرنچ ترش روئی کا اظہار کرنے لگے۔یہ مناظرہ بھی بلا اختتام بحث ختم ہوا،مگر پادری فنڈر نے عام مناظرہ اور مجمع عام میں گفتگو سے پہلو تہی کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد وزیر خاں سے مراسلت جاری کی۔یہ خط و کتابت یکم مئی ۱۸۵۴ء سے شروع ہوئی اور ۱۶/اگست ۱۸۵۴ء کو ختم ہوئی۔پادری فنڈر لاجواب ہو چکے تھے اسلئے ڈاکٹر محمد وزیر خانصاحب اپنے پہلے خط میں پادری فنڈر کو لکھتے ہیں:

''پہلے آپ مولانا رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی باتوں کا جواب دیجئے،اس کے بعد اگر مباحثہ کرنا ضروری ہے تو اپنی کتب دینیہ سے ہاتھ دھو کر اور ان کو موافق اصلاح اہل اسلام کے منسوخ و محرف مان کر تثلیث کے میدان میں قدم رکھئے۔جب یہ مسئلہ طے ہوجائے گا تو حضرت خاتم المرسلین کی نبوت کے عنوان پر گفتگو کی جائے گی۔''

حضرت مولانا مرحوم کا دعویٰ تھا کہ جس مذہب کی طرف تم دنیا کو بلا رہے ہو وہ آسمانی کتاب اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے اور جس کتاب کو تم مذہبی کتاب کہتے ہو وہ ناقابلِ اعتبار ہے، پیشوایانِ مذہب عیسوی نے انجیل میں بہت کچھ تحریف کردی ہے،اسلئے آج دنیا میں دین عیسوی کی بنیاد کھوکھلی ہے۔

مناظرۂ اکبر آباد میں یہ شرط خاص اہمیت رکھتی تھی کہ اگر حضرت مولانا مرحوم پادری فنڈر کے اعتراضات کا جواب نہ دے سکے تو مذہبِ عیسوی اختیار کرلیں گے،اسی طرح پادری فنڈر اگر مولانا مرحوم کے سوالات کا جواب نہ دے سکے تو وہ مسلمان ہوجائیں گے۔اس مناظرہ میں حضرت مولانا مرحوم کے ذمہ رسولِ مقبول کی رسالت کو ثابت کرنا،کلامِ پاک کا آج تک بلاتحریف اور تغیر سے بالکل محفوظ آسمانی کتاب ہونا اور ابطالِ تثلیث کے ساتھ تحریفِ انجیل کا مدلل ثبوت پیش کرنا تھا۔اس کے مقابلہ میں پادری فنڈر کو اثباتِ تثلیث کے ساتھ موجودہ انجیلوں کو وہی صحائف آسمانی ثابت کرنا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں اور ان میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی۔حضرت مولانا مرحوم نے اپنی خداداد قابلیت اور تائید غیبی سے دو روز کے

مناظرہ میں اس امر کو ثابت کر دیا کہ موجودہ انجیل جس پر عیسائیوں اور پادریوں کو ناز ہے تحریف شدہ ہے جس کا اقرار پادری فنڈر نے جلسۂ عام میں کر لیا۔

تیسرے دن مناظرہ نہ ہوا اور پادری فنڈر نے عام مجمع کے سامنے آنے کے بجائے اپنی خفت مٹانے کے لئے حضرت مولانا مرحوم کو خط لکھا کہ ”آپ نے مناظرہ میں جن عبارتوں کے حوالے دیئے ہیں، آپ کے کہنے پر میں نے سمجھ لیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ لیکن میں ”حل الاشکال“ بھیج رہا ہوں اس میں ملاحظہ کیجئے وہ مقصد نہیں ہے جو جناب نے بیان کیا ہے۔“

حضرت مولانا مرحوم نے اس گریز کا مدلل اور معقول جواب دیا۔ یہ خط و کتابت مولانا مرحوم اور پادری فنڈر کے درمیان ۲۳ر اپریل ۱۸۵۴ء تک جاری رہی۔ اس مناظرہ کی پوری کیفیت ”البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف“ کے نام سے وزیرالدین صاحب نے مرتب کی جو حافظ عبداللہ کے اہتمام سے سنہ ۱۲۷۰ھ میں ”فخر المطابع“ شاہجہاں آباد دہلی میں کتاب کی شکل میں چھپی اور ولی عہد مرزا فخر الدین بن سراج الدین بہادر بادشاہ دہلی کے حکم سے چھپ کر اور انہی کی حکم سے ہندوستان کے اطراف و اکناف میں اشاعت پذیر ہوئی۔ یہ کتاب صرف مناظرہ اکبر آباد آگرہ اور حضرت مولانا مرحوم و پادری فنڈر کے آخری خطوط کا مجموعہ ہے۔

مناظرۂ اکبر آباد کو چھوٹی تقطیع پر حصہ اول ”مباحثۂ مذہبی“ اور دوسرا حصہ ”مراسلات مذہبی“ کے نام سے سید عبداللہ صاحب اکبر آبادی نے منشی محمد امیر صاحب کے اہتمام سے ”مطبعۂ منعمیہ“ اکبر آباد ۱۲۷۱ھ میں چھپوایا۔ پہلا حصہ فارسی میں تقریری مناظرہ کی روئیداد ہے۔ دوسرے حصے میں ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب اور پادری فنڈر کا تحریری مناظرہ اردو میں ہے۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ اظہار الحق کے حاشیہ پر مطبوع ہے جو مطبعۂ محمودیہ قاہرہ میں ۱۳۱۷ھ میں طبع ہوا۔

تصانیف

حضرت مولانا مرحوم نے فتنۂ مسیحیت کے استیصال اور روک تھام کی غرض سے جو کتابیں ردِ نصاریٰ میں تصنیف و تالیف کیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱- اظہار الحق

خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالعزیز خاں اور خیر الدین پاشا تونسی صدر اعظم کی تحریک پر پادری فنڈر سے اکبر آباد آگرہ میں مناظرہ کی مفصل کیفیت اور تمام مسائل کا نہایت بسط وشرح کے ساتھ بیان ہے۔ ۱۶ر رجب ۱۲۸۰ھ میں قسطنطنیہ میں اس کتاب کی تالیف شروع کی اور آخر ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ میں ختم ہوئی اور ۱۲۸۱ھ میں سب سے پہلے قسطنطنیہ میں چھپی۔ صدر اعظم موصوف کے حکم سے ایک ترک عالم نے عربی سے ترکی میں اس کا ترجمہ کیا اور ''ابراز الحق'' کے نام سے مکمل ترکی ترجمہ شائع ہوا۔ نیز یورپ کی متعدد زبانوں میں حکومت عثمانیہ کی طرف سے اس کے ترجمے شائع کئے گئے جن کو پادریوں کے خاص اہتمام اور کوشش سے تلف کیا۔ مصر میں متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ مولوی سلیم اللہ مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا جس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی۔ مولوی غلام محمد بہانجار اندیری نے بڑی محنت و جانکاہی سے گجراتی میں ترجمہ کیا جو شائع ہو چکا ہے۔ اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے بعد ''ٹائمز آف لندن'' نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی''۔ نواب حاجی اسمٰعیل خانصاحب مرحوم رئیس دتاؤلی ضلع علی گڑھ نے مکہ معظمہ میں حضرت مولانا مرحوم کو ٹائمز کا یہ تراشا اور اظہار الحق کے متعلق اس کا مذکورۂ بالا ریویو خاص طور پر دیا تھا۔ ردِ نصاریٰ میں صرف یہی ایک کتاب ایسی ہے جس کا جواب یا رَد آج تک مسیحی دنیا نہ دے سکی۔

''تائید الحق برحمۃ اللہ'' اس کا تاریخی نام ہے۔ ''اظہار الحق'' ایک مقدمہ اور چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ ابواب کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

۱- بابِ اول : بیان و تفصیل کتب عہد قدیم وجدید۔

۲- باب دوم : بیان و تفصیل کتب اثبات تحریف انجیل۔

۳- باب سوم : بیان و تفصیل کتب نسخ انجیل۔

۴- باب چہارم : بیان و تفصیل کتب ابطال تثلیث۔

۵-باب پنجم : قرآن کا کلام اللہ ہونا۔

۶-باب ششم : قرآن کا کلام اللہ ہونا۔اثبات نبوت اور محمد ﷺ پادریوں کے اعتراضات کی تردید۔

۲-ازالۃ الاوہام

یہ کتاب ۵۶۴ صفحات پر سید المطابع کوچہ بلاقی بیگم دہلی میں سید قوام الدین صاحب کے زیر اہتمام فارسی میں ۱۲۶۹ھ ہجری میں بڑی تقطیع پر چھپی ۔ ردِ نصاری کے اکثر مباحث کا مُسکِت جواب ہے۔اس میں پادری فنڈر کے ''میزان الحق'' میں اعتراضات کے دندان شکن جوابات بھی ہیں۔

۳-ازالۃ الشکوک

یہ کتاب عیسائیوں کے انتالیس سوالوں کا جواب ہے۔۱۲۶۸ھ کے مطابق ۱۸۵۴ء میں تصنیف ہوئی اور دو جلدوں میں شائع ہوئی۔اس میں نبوتِ محمدی اور تحریف بائبل کے مدلل ثبوت ہیں۔ دونوں جلدیں ۱۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہیں۔اس کتاب کی سبب تالیف کے متعلق حضرت مولانا مرحوم دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''۱۲۶۹ھ دو امر باعث ہوئے کہ ان (پادریوں کے سوالات) کا جواب لکھوں۔ایک یہ کہ بعض عیسائیوں نے ان سوالوں میں اصلاح دیکر اور چھ سوال بڑھا کر ان کو جناب مستطاب مرزا محمد فخر الدین ولی عہد بہادر دام اجلالہ کی خدمت بابرکت میں بھیجا اور جناب مفخم الیہ نے مجھ سے درخواست کی کہ ان کا جواب لکھوں اور ان کا امر ماننا پڑا۔''

حضرت مولانا مرحوم کے شاگرد رشید شمس العلماء فاضل جلیل مولانا عبدالوہاب مرحوم ویلوری بانی مدرسہ ''باقیات الصالحات'' مدراس نے اپنے اہتمام اور صرفہ سے مدراس میں پہلی جلد چھپوائی تھی۔دوسری جلد مولانا موصوف کے خلف ارشد مولانا ابوالفضل ضیاء الدین محمد مرحوم مہتمم مدرسہ

مذکور نے اپنی نگرانی میں طبع کرائی۔ جلد اول اور جلد دوم کی تصحیح وغیرہ خود شمس العلماء مولانا عبدالوہاب صاحب نے ماہِ شعبان ۱۲۸۸ھ میں مکمل فرمائی جس کے مطابق یہ دونوں جلدیں طبع ہوئیں۔

۴-اعجازِ عیسوی

اس کتاب میں حضرت مولانا مرحوم نے کامل طور پر بائبل کا غیر معتبر اور محرف ہونا ثابت کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۶۹ھ میں آگرہ میں لکھی گئی۔ پہلی بار آگرہ میں اور دوسری مرتبہ مطبعۂ رضوی دہلی میں طبع ہوئی۔ دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔

۵-احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث

دلائل عقلیہ ونقلیہ سے تثلیث کو باطل کیا ہے ۱۲۷۱ھ میں تصنیف ہوئی اور مطبعۂ رضوی دہلی میں ۱۲۹۲ھ میں چھپی۔

۶-بروقِ لامعہ

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مدلل اثبات اور خاتم المرسلین پر ختمِ رسالت کو ثابت کیا ہے۔ غیر مطبوعہ۔

۷-البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف

۱۲۷۰ھ میں لکھی گئی۔ تحریفِ انجیل پر محققانہ بحث ہے۔ ۵۶ صفحات اور متوسط تقطیع پر فخر المطابع دہلی میں چھپی ہے۔

۸-مُعدِّل اعوجاج المیزان

یہ کتاب میزان الحق مولفہ پادری فنڈر کا جواب ہے۔ رسالہ ”نور افشاں نمبر ۳۰ جلد ۱۲ مطبوعہ ۲۴ر جولائی ۱۸۸۴ء میں پادری صفدر علی صاحب کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا قلمی نسخہ اُن کے پاس ہے۔

۹-تقلیب المطاعن

یہ کتاب ''تحقیقِ دینِ حق'' مولفہ پادری لاسمند کا رد اور جواب ہے۔ غیر مطبوعہ۔

۱۰-معیار التحقیق

کتاب ''تحقیق الایمان'' مولفہ پادری صفدر علی کا دندان شکن جواب ہے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء میں نواح کیرانہ

گردشِ زمانہ سے سلطنت مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہوا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء نے ہندوستان میں انگریزوں کے اقتدار کو تکمیل تک پہنچایا اور کمپنی کا مقصد تجارت پورا ہوا۔ سیاسی دنیا میں کسی قوی اور غالب نے آج تک کمزور اور زیردست کے ساتھ رحم وشفقت کا برتاؤ نہیں کیا۔ رونا صرف اپنی غفلت اور بداقبالی کا ہے۔ اس زمانہ کے علماء کی ایک عملی جماعت اپنے فرض سے غافل نہ تھی۔ اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت کے مذہبی جذبہ اور دینی فریضہ کی ادائیگی کے لئے یہ جماعت میدان میں آئی۔ اپنی بساط اور ہمت کے مطابق خدمت کا حق ادا کیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

پرگنۂ کیرانہ اور شاملی میں زمیندار، شیوخ اور مسلمان گوجروں کے ہاتھ میں تھا، جن میں دینداری کے ساتھ جوش بھی موجود تھا۔ تھانہ بھون اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا۔ مجاہدین کی جماعت مدافعت اور مقابلہ کرتی رہی۔ شاملی کی تحصیل پر حملہ کیا گیا۔ پرگنہ کے چاروں طرف ایک مجاہدانہ تحریک کا اثر عام ہو چکا تھا۔ تھانہ بھون میں حضرت حاجی امداد اللہ اور مولوی عبدالحکیم تھانوی مع رفقاء، اور نواح کیرانہ میں حضرت مولانا مرحوم گورہ فوج کا مقابلہ کر رہے تھے۔ مجاہدینِ کیرانہ میں چونکہ مسلمان گوجر زیادہ تھے اس لئے ان کی قیادت چودھری عظیم الدین، حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ کر رہے تھے (انقلاب کے بعد چودھری عظیم الدین مکہ معظمہ حضرت مولانا مرحوم کے پاس آگئے تھے، یہیں ان کا انتقال ہوا)۔ اس زمانہ میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم وتربیت

کے لئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ کی آواز پر لوگوں کو جمع کیا جاتا اور اعلان ہوتا تھا:

''ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا''

اس جملہ کے بعد جو کچھ کہنا ہوتا تھا وہ عوام کو سنایا جاتا۔ اس پرانی آواز کو سننے والوں میں سے اب کوئی نہیں رہا، مگر جنھوں نے اپنے بزرگوں سے اس کی صدائے بازگشت سنی ہے وہ اب تک موجود ہیں۔ کیرانہ کے محاذ پر بظاہر شکست کا امکان نہ تھا، مگر بعض ابنائے وطن کی زمانہ سازی اور مخبروں کی سازش نے حالات کا رُخ بدل دیا۔ کیرانہ میں گورہ فوج اور توپ خانہ داخل ہوا۔ محلہ دربار کے دروازے کے سامنے توپ خانہ نصب کیا گیا اور گورہ فوج نے محلہ دربار کا محاصرہ کیا۔ ہر گھر کی تلاشی لی گئی۔ عورتوں، بچوں اور ہر شخص کو فرداً فرداً دربار سے باہر نکالا گیا، اس لئے کہ مخبر نے اطلاع دی تھی کہ مولانا دربار میں روپوش ہیں۔ کیرانہ کے قریب ''پنجیٹھ'' مسلمان گوجروں کا ایک گاؤں ہے جہاں حضرت مولانا مرحوم اپنی باقی ماندہ جماعت کے ساتھ پہنچے۔ خود ''پنجیٹھ'' کے لوگ بھی مجاہدین میں شریک تھے۔ اسی دوران میں گورہ فوج کے ایک گھوڑے سوار دستے نے ''پنجیٹھ'' کا رُخ کیا۔ کیرانہ اور قرب وجوار کے تمام حالات کی اطلاع حضرت مولانا مرحوم کو ملتی رہتی تھی۔ پنجیٹھ کے مکھیا کو جب فوج کا آنا معلوم ہوا تو اس نے جماعت کو منتشر کر دیا اور حضرت مولانا مرحوم سے خواہش کی کھرپا لیکر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں۔ گورہ فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گذری۔ حضرت مولانا مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ ''میں گھاس کاٹ رہا تھا اور گھوڑے کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں اور میں ان کو اپنے پاس سے گذرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔''

گورہ فوج نے گاؤں کا محاصرہ کیا۔ مکھیا کو گرفتار کرلیا گیا۔ پورے گاؤں کی تلاشی لی گئی مگر حضرت مولانا مرحوم کا پتہ نہ چلا۔ مجبوراً یہ فوجی دستہ کیرانہ واپس ہوا۔ حالات پر قابو پالیا گیا اور حضرت مولانا مرحوم کے خلاف فوجداری مقدمہ چلایا گیا۔ وارنٹ جاری ہوا۔ آپ کو مفرور باغی قرار دیکر گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپیہ کے انعام کا اعلان ہوا۔ حضرت مولانا مرحوم اپنا نام ''مصلح الدین'' بدل کر پیدل دہلی روانہ ہوئے۔ آپ کے لئے یہ بہت سخت آزمائش کا وقت تھا۔

ایمانی عزم و ہمت اور صبر و استقلال کے ساتھ جے پور اور جودھپور کے مہیب ریگستانی جنگلوں اور خطرناک راستوں کو پاپیادہ طے کرتے ہوئے سورت پہنچے۔ بندرگاہ سورت سے بھی جہاز کا سفر آسان نہ تھا۔ بادبانی جہاز چلا کرتے تھے۔ سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کی موافقت کے زمانے میں سورت سے روانہ ہوتا اور اسی طرح جدہ سے آیا کرتا تھا۔ ایک خط کا محصول چار روپیہ تھا۔ جو لوگ ہجرت کے ارادہ سے ترکِ وطن کرتے وہ ساتھ ہی دنیاوی تعلقات اور باہمی علائق کو زندگی ہی میں ختم کر دیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا مرحوم کی روانگی اور فوجداری مقدمہ کے بعد آپ کی اور آپ کے خاندان کی جائیداد ضبط ہو کر نیلام ہوئی۔ خاص طور پر پانی پت میں مخبر ''کمال الدین'' کی شناخت پر جو جائیداد قرق کر کے نیلام کی گئی اس کا مختصر بیان درج ذیل ہے۔ جائیداد کے نیلام کا فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرنال نے ۳۰ر جنوری ۱۸۶۲ء میں کیا۔

۱-سرائے کھجور۔ اس کی قیمت سرکاری طور پر ڈپٹی کمشنر کرنال کے کاغذات میں پانچ سو روپیہ ہے۔

۲-سرائے چوڑھے۔ " " " " " "

۳-سرائے شیخ فضل الٰہی۔ " " " " " "

۴-سرائے قصابان۔ " " " " " "

۵۔سرائے لوہ آباد۔ " " " " " "

۶-سرائے مالیان۔ " " " " " "

یہ سب سرائیں اور وسیع قطعات زمین اور مکانات ایک ہزار چار سو بیس روپیہ میں نیلام ہوئے، جن کی لاکھوں روپیہ قیمت تھی۔ مزروعہ علاقے اور زراعتی زمینیں اس سکنائی جائیداد کے علاوہ ہیں جو بحقِ سرکار ضبط ہوئیں۔ مذکورۂ بالا سرائیں جس قیمت پر نیلام ہوئیں وہ بھی ملاحظہ ہو:

سرائے کھجور: ۴۲ روپیہ۔

سرائے لوح آباد: ۱۵ روپیہ۔

سرائے چوڑھے: ۵۶ روپیہ۔

سرائے قصابان: ۱۴ روپیہ۔

کاغذات جائیداد نیلام شدہ میں انڈکس مشمولہ کا یہ عنوان ہے:

"انڈکس مشمولہ مثل فوجداری مقدمۂ عرضی کمال الدین ساکن کیرانہ حال پانی پت مولوی رحمت اللہ باغی۔"

رحمت اللہ بیت اللہ میں

طویل سفر کے آلام ومصائب کو برداشت کرتا ہوا یہ سربکف مجاہد اسلام مرکزِ اسلام میں پہنچا، تاکہ کعبہ کے زیر سایہ خدمتِ اسلام کا کوئی پہلو نکال سکے۔ ہندوستان میں اس عملی جماعت کے اکثر افراد نے مکہ معظّمہ کا رخ کیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مرحوم، حضرت مولانا رحمت اللہ سے کچھ پہلے مکہ معظّمہ پہنچ چکے تھے اور رباطِ داؤدیہ (جو باب العمرہ سے متصل ہے) کے ایک حجرہ میں مقیم تھے۔ صبح صادق کے قریب حضرت مولانا مرحوم مکہ معظّمہ پہنچے۔ مطاف میں حضرت حاجی صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی۔ طوافِ قدوم اور سعی میں حضرت حاجی صاحب مرحوم ساتھ رہے۔ اس کے بعد دونوں رباطِ داؤدیہ میں آئے۔ اس زمانہ میں سید احمد دحلان "شیخ العرب" تھے اور مسجد حرم میں آپ کا حلقۂ درس مرجع عام تھا۔ شریف عبداللہ بن عون بن محمد "امیر مکہ" کے سلطان عبدالعزیز خاں کا دورِ خلافت تھا۔ حضرت مولانا مرحوم نے حالات کا جائزہ لیا اور علمائے مسجد حرم سے تعلقات پیدا ہوئے۔ سید احمد دحلان کے درس کو اکثر سننے کا موقعہ ملتا۔ موصوف چونکہ شافعی المذہب تھے اس لئے ایک روز دورانِ تقریر میں کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب کی ترجیح کے ساتھ احناف کے دلائل کو کمزور ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بیان ختم ہونے کے بعد حضرت مولانا مرحوم نے سید احمد دحلان سے پہلی مرتبہ بات کی اور اس مسئلہ کے متعلق ایک طالب علم کی حیثیت سے اپنی تشفی چاہی۔ تھوڑی دیر کے سوال وجواب اور علمی گفتگو سے سید احمد دحلان کو اس کا اندازہ ہوگیا کہ یہ شخص طالب علم نہیں۔ حقیقت حال دریافت کی۔ حضرت مولانا

مرحوم نے اختصار کے ساتھ کچھ حالات بیان کئے۔ دوسرے دن اپنے گھر میں دعوت کے لئے حضرت مولانا مرحوم سے فرمایا۔ آپ اپنے رفیق عزیز حضرت حاجی صاحب مرحوم کے ساتھ احمد صاحب کے دولت خانہ پر تشریف لے گئے۔ اس مجلس میں حضرت مولانا مرحوم نے انقلاب ۱۸۵۷ء کے تمام حالات اور خاص طور پر نصاریٰ کی مذہبی کوششوں اور نصاریٰ میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابی کی تفصیل بیان کی، جس سے بیحد مسرت کا اظہار فرمایا اور حضرت مولانا مرحوم سے دیر تک بغلگیر ہوئے۔ اسی مجلس میں حضرت مولانا مرحوم کو مسجد حرم میں درس کی باقاعدہ اجازت دی اور علمائے مسجد حرم کے رجسٹر میں آپ کا نام درج کرادیا۔

قسطنطنیہ کا پہلا سفر

قسطنطنیہ سے سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم کا فرمان امیرِ مکہ شریف عبداللہ کے نام آیا کہ ”حج کے زمانے میں ہندوستان سے جو علماء اور باخبر اصحاب آئیں ان سے پادری فنڈر کے مناظرہ اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے خاص حالات معلوم کر کے اربابِ خلافت کو مطلع کیا جائے“۔ امیر مکہ نے شیخ العلماء سید احمد دحلان سے اس فرمان کا تذکرہ کیا۔ موصوف نے فرمایا کہ ”جس عالم سے یہ مناظرہ ہوا ہے وہ خود یہاں موجود ہے“۔ امیرِ مکہ کے حکم سے دوسرے دن حضرت مولاناؒ شیخ العلماء کے ساتھ امیر مکہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلطان کو حالات سے مطلع کیا گیا اور قسطنطنیہ سے سلطان کی طلبی اور حکم پر امیر مکہ نے حضرت مولانا کو ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں شاہی مہمان کی حیثیت سے روانہ کیا۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد پادری فنڈر کو جرمنی اور سوئٹزرلینڈ اور انگلستان میں چرچ مشنری سوسائٹی لندن نے اس کو قسطنطنیہ بھیجا تاکہ وہاں کام کرے۔ پادری فنڈر اپنی شرانگیز طبیعت سے مجبور تھا۔ دولت عثمانیہ میں فنڈر اور اس کی جماعت نے یہ مشہور کردیا تھا کہ ہندوستان میں عیسائیت کی فتح اور اسلام کی شکست ہوئی ہے اور علمائے اسلام لاجواب ہو چکے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان مسیحیت کو قبول کر رہے ہیں۔ اس خبر سے بھی سلطان بہت متشوش تھے۔ حضرت مولانا

مرحوم کی آمد قسطنطنیہ کی خبر سن کر پادری فنڈر قسطنطنیہ سے روپوش ہوا۔ سلطان نے ایک مجلس علماء منعقد کی جس میں وزرائے سلطنت کے علاوہ اہل علم اصحاب کو مدعو کیا گیا اور حضرت مولانا مرحوم سے ہندوستان میں مذہب عیسوی کی شکست اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے حالات سنے۔ دولتِ عثمانیہ میں اس فتنہ وفساد کو روکنے کے لئے حکومت نے مسیحی مبلغین کو قید کیا، ان کی کتابوں پر پابندیاں لگائی گئیں اور سخت احکامات جاری کئے گئے۔

اکثر نمازِ عشاء کے بعد سلطان بکمال التفات شاہانہ حضرت مولانا مرحوم کو شرفِ باریابی عطا فرماتے تھے۔ اس وقت خیرالدین پاشا تونسی صدر اعظم اور شیخ الاسلام وغیرہ بھی شریک مجلس ہوتے۔ سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم نے حضرت مولانا مرحوم کی جلیل القدر دینی مجاہدانہ خدمات کی قدر افزائی فرمائی۔ زریں خلعت کے ساتھ تمغۂ مجیدی درجہ دوم اور گرانقدر وظیفۂ ماہانہ سے سرفراز فرمایا۔

سلطان کی خواہش اور خیرالدین پاشا کی تحریک پر ماہِ رجب ۱۲۸۰ھ میں حضرت مولانا مرحوم نے ''اظہار الحق''، لکھنی شروع کی، اور آخر ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ میں چھ ماہ کے اندر تیار کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کی۔ خیرالدین پاشا نے حضرت مولانا مرحوم سے فرمایا کہ امیر المومنین کی خواہش پر آپ نے یہ کتاب لکھی مگر اس کے مقدمہ میں آپ نے مکہ معظمہ کے شیخ العلماء کا ذکر کیا ہے حالانکہ امیر المومنین کا نام آنا چاہئے تھا۔ حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ:

''اس خالص مذہبی خدمت میں کسی دنیاوی غرض ومقصد کا کوئی شائبہ نہ آنا چاہئے، اس کے علاوہ مکہ معظمہ میں خود شیخ العلماء مجھ سے ان حالات کے قلمبند کرنے کی خواہش کر چکے تھے اور ابتدائی مواد کی ترتیب کا کام بھی شروع کر دیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اصل سبب شیخ العلماء ہیں، کسی وجہ سے اگر وہ مجھے امیر مکہ تک نہ پہنچاتے تو میری رسائی یہاں تک نہ ہوتی اور اس خدمت کا موقع نہ ملتا۔''

مولانا کی ان وجوہات کو بنظرِ استحسان وقدر شناسی دیکھا گیا۔

حضرت مولانا مرحوم کے عرصۂ قیام قسطنطنیہ میں اکثر علماء اور مختلف مذاق اور خیال کے اہلِ

علم وغیرہ اصحاب شاہی مہمان خانہ میں نظر آتے تھے۔ مختلف مذہبی مسائل پر تبصرہ اور تبادلۂ خیال ہوتا تھا۔ یورپ کی تعلیم اور نئی روشنی کا اثر یہاں تک پہنچ چکا تھا اس لئے حضرت مولانا مرحوم نے ضرورت کا احساس کرتے ہوئے بعثت ونبوت اور حشر ونشر، نزول وحی امور کو عقلی دلائل سے ثابت کیا اور ''تنبیہات'' کے نام سے ان امور پر ایک رسالہ لکھا جس کی تالیف سے جمادی الاول ۱۲۸۱ھ میں فارغ ہوئے۔ یہ رسالہ خیرالدین پاشا تونسی صدر اعظم کے حکم سے طبع ہوا۔ مصر میں ''اظہار الحق'' کے بعض مطبوعہ نسخوں کے حاشیہ پر یہ رسالہ چھپا ہوا ہے۔

قسطنطنیہ سے واپسی کے بعد مسجد حرم میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ سب سے پہلے حضرت مولانا مرحوم نے معقول سے طلبہ کو روشناس کرایا اور خاص طور سے ریاضی میں علم ہیئت کی تدریس شروع کی جو حجاز میں تعلیمی حیثیت سے غیر معروف تھی۔ علم صرف مستقل طور پر داخل درس نہ تھا بلکہ نحو کے ساتھ علم صرف کی ابتدائی معلومات پڑھائی جاتی تھیں۔ حضرت مولانا مرحوم نے صرف کی تعلیم کو نحو سے الگ کیا اور اسی کے ساتھ یہاں کے طریقۂ درس وتدریس اور مقامی اہم ضرورتوں پر کافی غور وخوض کے بعد یہ رائے قائم کی کہ یہاں ایک ایسے دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھا جائے جو مرکزیت کے شایانِ شان ہو۔ دنیا کی مختلف زبانیں جاننے والے علماء مدرس ہوں اور ایک ایسا نصابِ تعلیم رائج کیا جائے جو دینی اور دنیوی ضروریات کا متکفل ہو۔ اگرچہ سلطنت عثمانیہ ان علمائے حرم اور باکمال افراد کی حوصلہ افزائی میں لاکھوں روپیہ بے دریغ صرف کر رہی تھی جو مسجد حرم میں درس وتدریس میں مشغول تھے مگر اس میں جو نقائص پائے جاتے تھے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) وہ علماء اپنے درس وتدریس کو کسی نظام اور کام کو ضابطہ کی ماتحتی میں انجام نہیں دے رہے تھے۔

(۲) کوئی مخصوص نصابِ تعلیم رائج ومقرر نہ تھا اور جو کچھ پڑھایا جاتا تھا وہ طلباء میں کسی قسم کی قابلیت واستعداد پیدا نہیں کرسکتا تھا۔

(۳) طریقۂ تعلیم نہایت ابتر حالت میں تھا اور سب سے بڑا نقص یہ تھا کہ کتاب کی عبارت کو

خود استاد پڑھتا اور خود ہی مطلب بیان کرتا۔ شاگرد اُسے استاد کا ایک وعظ سمجھتے اور اپنے دماغ پر زور ڈالنے کے عادی نہ تھے۔ استاد سے سوال کرنا یا نفس مسئلہ پر اعتراض پیدا کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ سمجھنے یا توضیح کے لئے استفسار بے ادبی میں داخل تھا۔

(۴) جو علوم پڑھائے جاتے تھے ان میں نحو، فقہ، تفسیر، حدیث پر تمام عمر ختم ہونے کے باوجود تکمیل یا اعلیٰ قابلیت پیدا نہیں ہوتی تھی۔ تفسیر جلالین جو عام طور پر ہندوستان میں سال بھر میں پڑھائی جاتی تھی اس وقت سات سال میں ختم ہوا کرتی تھی۔ باقی علوم کے پڑھنے، فنون کے حاصل کرنے کا نہ رجحان و شوق تھا اور نہ تبحر و استعداد کے ساتھ پڑھانے کی ہمت تھی۔

(۵) ان مہاجرین کی اولاد کے لئے جو ممالک اسلامیہ سے ہجرت کر کے آتے ہیں کسی قسم کی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ان کی اولاد غیر تربیت یافتہ اور جہالت و بداخلاقی کا شکار تھی۔ نہ وہ دنیا کے کسی کام کی تھی اور نہ دین کے۔

(۶) مکہ معظّمہ کو سرچشمۂ دین اور مرکزِ اسلام خیال کر کے ہر سال اسلامی دنیا کے دور دراز مقامات سے بڑی تعداد میں متلاشیانِ علوم دینیہ اس شوق میں آتے تھے کہ اس چشمہ سے سیراب ہوں۔ مگر اس زمانہ میں یہاں ان طلبہ کی تعلیم کا نہ کوئی انتظام تھا اور نہ قیام وطعام و دیگر ضروریات تعلیم کی کوئی صورت تھی۔

ان تمام حالات اور گردوپیش کی ضرورتوں پر کافی غور کرنے کے بعد یہ پہلا شخص تھا جس نے اہل حرم اور شائقین علومِ دینیہ کی ضرورت کا احساس کیا اور اپنے حکیمانہ دماغ سے یہ بات پیدا کی کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مٹی ہوئی درس گاہ کا زمینِ حرم پر احیاء کیا جائے۔ مہاجرین کی اولاد اور اہل عرب کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے انتظام کے ساتھ صنعت و دستکاری سکھانے کے لئے ایک باقاعدہ صنعتی اسکول بھی اعلیٰ پیمانہ پر قائم کیا جائے تاکہ اہل حجاز اور ان مہاجرین حرم کی اول ضروری اور ابتدائی تعلیم کے بعد گداگری اور افلاس کا شکار ہو کر ننگِ اسلام نہ بنیں۔

ایک مرکزی دارالعلوم کا ابتدائی تصور

حضرت مولانا مرحوم مکہ معظمہ کے ہندوستانی مہاجرین اور اہل خیر اصحاب کو اس اہم ضرورت کی طرف متوجہ فرماتے رہے۔ اس سلسلہ میں متعدد اجتماعات ہوئے اور یہ طے پایا کہ نواب فیض احمد خانصاحب مرحوم رئیس ضلع علی گڑھ جو اس زمانہ کے طبقۂ مہاجرین میں دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے ممتاز تھے، ان کے ذاتی اور مسکونہ مکان کے ایک حصہ میں مدرسہ کی ابتدار کی جائے اور ممتاز ہندوستانی مہاجرین کی ہمدردی اور عملی شرکت اس کارِ خیر کو حاصل رہے۔ مکہ معظمہ کے اس سب سے پہلے مدرسہ کی سب سے پہلی تاریخی اور بنیادی اپیل درج ذیل ہے:

''حمد ونعت کے بعد عرض یہ ہے کہ اکثر ہندیوں اہلِ توفیق کی ہمت سے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا میں بعضے بعضے خیر کے کام جیسے رباطیں اور سبیلیں تیار ہوگئی ہیں، پر اب تک کوئی مدرسہ ان کی طرف سے یہاں نہیں ہے، حالانکہ اور کاموں سے یہ کام بھی بڑا خیر کا کام ہے، اسلئے یہ عرض ہے کہ جو اس امر میں شریک ہوں وہ اپنا نام مع اس رقم کے جو انھیں ماہانہ طور پر دینا منظور ہو لکھدیں اور تھوڑے بہت کا خیال نہ کریں کہ تھوڑا تھوڑا اکٹھا ہو کے بہت ہو جاتا ہے، اور اس مدرسہ کے تدریس کے اور خرچ کے قواعد ان لوگوں کی رائے سے مقرر ہوں گے جو اس امر کے لئے بمشورہ مقرر کئے جائیں گے۔ فقط۔

المرقوم یکم ماہ رمضان المبارک ۱۲۹۰ھ ہجری قدسی

محمد حسین شیخ المطوفین ہند	رحمۃ اللہ	محمد احسن
ے/روپیہ	عہ/روپیہ ماہانہ	عہ/روپیہ ماہانہ
ارادت حسین	احمد حسن	جعفر حسین
عہ ماہانہ	عہ سالانہ	تا قیام مکہ ے/ماہانہ
میاں عبدالکریم	حافظ عبداللہ	زین العابدین
۳ قرش ماہانہ	۳ قرش	۲۰ دیوانی

محمد فیض احمد خاں ----------	محمد فضل اللہ عفی عنہ ----------	محمد جیون عفی اللہ عنہ
عہ/روپیہ ماہانہ	۸/ ماہانہ	عہ/ماہانہ
میاں جان ----------	عبدالرحیم عطار ----------	عنایت اللہ
۸/ماہانہ	۴/ماہانہ	۳قرش ماہانہ
عبدالرحیم عطار ----------	عبدالوہاب ----------	اسماعیل
پاؤ مجیدی ماہانہ	۱۲/ماہانہ	۲قرش ماہانہ
عبدالقادر شیخ المطوفین بنگالی ------	عبدالعزیز عفی اللہ عنہ ------	عبدالرحمٰن عطار بنگالی
عہ/	عہ ماہانہ	ربع ربیہ ماہانہ
جان محمد میمن عطار ----------	حافظ قادر بخش ----------	نظام علی چائے فروش
ربع ریال ماہوار	(تا قیام مکہ معظمہ) ربع مجیدی ماہانہ	ربع ریال ماہانہ
امیر علی ----------	عبدالجبار نبیرہ شاہ عبدالستار ------	محمد احسن الدین
۴/ماہانہ	۴/قرش ماہانہ	ربع ریال
منشی عزیز الرحمٰن ----------	عبدالحق کاتب بنگالی ----------	عبداللہ مجلد
۳/قرش ماہانہ	۳/قرش ماہانہ	نصف ربیہ ماہانہ
فدا محمد ----------	شیر محمد خاں ----------	میاں قاسم
عہ/ماہانہ	۴/قرش ماہانہ	۳/قرش ماہانہ
کمترین علی جان عفی اللہ عنہ --	عبدالرحمٰن خوردہ فروش ----------	داؤد ملا کوکنی
ربع ریال ماہانہ	۲/قرش ماہانہ	ربع مجیدی ماہانہ
کمال الدین ----------	عبدالوہاب ----------	حکیم محبوب علی
عہ/ماہانہ	ربع مجیدی	۸/ماہانہ

ابراہیم علی ------------- محمد نذیر ------------- عبدالحمید

۸ر ماہانہ ۳ر قرش ماہانہ ۳ر قرش ماہانہ

حافظ عبدالحکیم مشہور پہلوان ---------- حکیم عبدالعزیز ------------ فدوی محمد اعظم

ربع ریال ماہانہ ۳ر قرش نیم قرش

علی بخش سمکری ----------- قدرت اللہ ------------ غازی

۳ر قرش ماہوار ۴ر ماہانہ ۴ر ماہانہ

عبداللہ گرفروش ------------ سید عبدالعلی ------------ مہتاب بیگ

ایک عشرین ربع ریال ماہانہ عہ ر ماہانہ

منشی نجم الدین ------------- محمد کامل مطوف -------------- محمد ابراہیم

۸ر ماہانہ عہ ر ماہانہ ۴ر ماہانہ

امیر حاجی -------------- عبدالکریم مجمع دار --------------- حاجی محمد

۴ر ماہانہ ۴ر ماہانہ عہ ر ماہانہ

عبدالرحمٰن خیاط ---------- مولوی خلیل الرحمٰن ----------- لال محمد صباغ

ربع مجیدی ماہانہ ۴ر ماہانہ ربع مجیدی

عباس خاں --------- فقیر امداد اللہ چشتی --------- سید حسن علی زمزمی

ربع مجیدی حتی المقدور عہ ر عہ ر

محمد اسمٰعیل بن حکیم ملا نواب ---- ابراہیم بن حسین مطالع ------- شیخ فرید

۳ قرش عہ ر ۴ر

زور آور خاں ----------- شیخ رمضانی مزین ------------ عباس خاں بجی

ایک قرش ۳ قرش ۳ قرش

حافظ عبدالغفور خیاط ---------- عبداللہ اسمٰعیل سندھی ---------- عیسٰی وحمزہ

۴قرش   ربع ریال   للعہ ریال یکمشت

مسماۃ سکینہ---------میر امداد علی قمیصی القادری---------ملا محمد نواب

۱؍قرش ماہوار   عہ؍ماہوار   عہ؍

عبدالصمد کتبی----------زینب معرفت سکینہ----------وزیراً معرفت سکینہ

۴؍ماہوار   ایک قرش   ایک عشرین

شبو معرفت سکینہ---------ضیاء الدین بنگالی---------زوجہ ضیاء الدین مذکور

ایک عشرین   ربع مجیدی   ۲قرش

نانی مولوی محمد اسمٰعیل-------حافظ عبداللہ نابینا مدرس دوم-------حافظ اسد اللہ مطوف

۳قرش   ایک قرش   ۴؍

علی پنجابی مطوف----------کاظم علی خاں----------عبداللہ مستان

۴؍   ۲قرش   ۲؍

نورن بی----------علی بن عبداللہ سندھی----------احمد بن عبدالخالق سندھی

۲؍   ۵¾ قرش   ۵¾ قرش

ابراہیم بن قاسم سندھی-------عبدالمولی خیاط سندھی-------حاجی مقیم بن اللہ رکھا سندھی

۵¾ قرش   ۳قرش   ۳قرش

محمد حسین-------------گاما بساطی-------------محمد خلیل احمد خاں

۷؍سالانہ   ۴؍   ایک قرش

مولوی عبدالخالق عطار بنگالی-------------نور محمد مجلد-------------مولوی عبدالسلام

ربع مجیدی   ۳قرش   نصف روپیہ

بی بی شہر بانو------------زوجہ جناب شاہ امداد اللہ------------محمد جان

ایک روپیہ از کم شوال   ۲قرش   ۲؍ذی الحجہ سے

عبدالکریم بنگالی---------- حاجی شریعت اللہ---------- محمد ناصر بنگالی

۲/ ذی الحجہ سے ۲/ ذی الحجہ سے ۲ قرش یکم ذی قعدہ سے

منشی ظفر اللہ صاحب---------- منشی ممتاز علی---------- منشی نوازش حسین

عہ/ عہ/ ۲۰ محرم سے عہ/ یکم محرم سے

میاں محمد علی---------- محمد جاوا خیاط---------- مقصود علی

۲ قرش ربع ریال ۳/

مولوی رحم علی-------- محمد عثمان نجار-------- احمد کنسار-------- محمد خاں صباغ

عہ/ ۳ قرش عہ/ عہ/

صولت النساء بیگم

موسم حج ۱۲۹۰ھ میں کلکتہ کی ایک اولوالعزم اور مخیّر خاتون ''صولت النساء بیگم صاحبہ'' اپنی لڑکی اور داماد کے ساتھ حج کے لئے آئیں۔ ہر نیک دل اور صاحب استطاعت مسلمان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ حرمین شریفین میں کوئی نیک کام اور صدقۂ جاریہ قائم کر جائے۔ صولت النساء مرحومہ بھی مکہ معظمہ میں ایک رباط (مسافر خانہ) بنانے کا بہتر جذبہ اپنے ساتھ لائیں۔ موصوفہ کے داماد اکثر مسجد حرم میں اکثر حضرت مولانا مرحوم کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے۔ مشورہ کے طور پر انھوں نے اپنی خوشدامن کے مبارک ارادہ کا ذکر کیا۔ حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ''مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں رباطوں اور مسافر خانوں کی کمی نہیں، سب سے زیادہ ضرورت ایک مدرسہ کی ہے۔ مکہ معظمہ میں کوئی مستقل مدرسہ نہیں''۔ صولت النساء بیگم صاحبہ دوسرے دن حضرت مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس رائے کو انتہائی مسرت کے ساتھ پسند کرتے ہوئے مدرسہ کے لئے زمین کی خرید وغیرہ کے متعلق گفتگو کی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عظیم الشان کارِ خیر اس بلند ہمت خاتون سے لینا تھا۔ محلہ خندریسہ میں جگہ خریدی گئی اور مدرسہ کی تعمیر شروع ہوگئی۔ اکثر صولت النساء صاحبہ مرحومہ خود تعمیر کا کام دیکھنے کے لئے تشریف لاتیں اور اپنی خوش قسمتی اور اس

توفیقِ خدمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتیں۔ مدرسہ کے سب سے پہلے رجسٹر کی ابتدائی عبارت جو حضرت مولانا مرحوم کے قلم مبارک کی ہے، نقل ذیل ہے:

''حمد اور نعت کے بعد یہ ہے کہ اگرچہ مدرسہ ہندیہ حضرات اہل ہند کی ہمت اور توجہ سے مکہ معظمہ ادام اللہ شرفہا میں سنہ بارہ سو نوے (۱۲۹۰ھ) رمضان کے مہینے میں قائم ہوا، پر اسباب چند در چند سے جو اس سنہ کے چار مہینوں میں کئی طرح کے ہرج پیش آئے، سو اس لحاظ سے ہم ان چار مہینوں کو نظر سے گرا کے اس مدرسہ کے قیام کو محرم الحرام بارہ سو اکیانوے (۱۲۹۱ھ) گنتے ہیں، اور سب امورِ متعلقہ اس مدرسہ کو اسی سال سے لیتے ہیں۔ اللہ خیر سے ان امور کو انجام دیجو۔ بمنہ وکرمہ۔

۱۲ ر شعبان ۱۲۹۱ھ روز چہار شنبہ میں مدرسہ صولتیہ جدیدہ میں سب مدرسوں اور طالب علموں کو لایا گیا۔ یکم شعبان ۱۲۹۲ھ سے نواب محمود علی خاں بہادر والی چھتاری نے سو روپیہ ماہوار اس مدرسہ کے مقرر کر دیئے۔''

ازل سے علمِ الٰہی میں یہ سعادت اور فخر اس بیوہ خاتون کے حصہ میں تھا۔ اس لئے حضرت مولانا مرحوم نے ان کے اس ایثار کی بہتر یادگار کے طور پر مرکز اسلام کے اس اولین علمی بنار، کا نام مدرسہ صولتیہ رکھا جو قیامت تک اس کے نام کو عزت اور سچی ناموری کے ساتھ زندہ رکھے گا۔

حضرت بانی مدرسہ صولتیہ کو ابتدا میں علاوہ ان مشکلات کے جو اس قسم کے کاموں میں ہر ایک کام کرنے والے کو پیش آتی ہیں، دو نئے امر سدراہ ہوئے جن کا وہم وگمان بھی حضرت بانی مدرسہ کو نہ تھا۔

(۱) انگریزی کونسل متعینہ جدہ کو یہ خیال اور وہم پریشان کرتا رہا کہ حضرت مولانا مرحوم اس درسگاہ کے پس پردہ انگریزوں کے خلاف پروپگنڈہ اور کوئی باغیانہ سازش نہ کرتے ہوں، اس لئے کہ حضرت مولانا مرحوم پر ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں غیر وفاداری کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس وجہ سے مدرسہ کے قیام میں اس نے ہر ممکن رکاوٹ پیدا کرنے میں دریغ نہ کیا۔

(۲) حجاز کے مقامی ترک حکام کو یہ اندیشہ دامن گیر رہا کہ زمین حرم پر مدرسہ کی ابتدا ہندوستان کے مسلمانوں کی کوشش سے ہورہی ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ درسگاہ آئندہ بیرونی اقتدار اور اغیار کی مداخلت کا کسی وقت میں ذریعہ بن جائے۔

اس میں شک نہیں کہ ترکوں کی بدگمانی ایک حد تک درست تھی، کیونکہ وہ اپنے ملک میں مشن اور پادریوں کے خیراتی اور رفاہِ عام کے کاموں کا تلخ تجربہ اٹھا چکے تھے۔ باوجود ان تمام مشکلات اور زبردست مخالفت کے بانی مدرسہ نے ہمت و پامردگی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور ان کا مقابلہ کیا۔

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

کچھ زمانہ کے بعد حقیقتِ حال اور اصلیت کی روشنی میں تمام شک وشبہات کے بادل چھٹ گئے اور مولانا مرحوم نے اپنے خلوص وللٰہیت اور استقلال کی بدولت آئندہ کے لئے راستہ صاف کرلیا۔

مدرسہ کے اغراض ومقاصد

سطورِ بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ آج سے اسی (۸۰) سال قبل مکہ معظمہ کی تعلیمی حالت اور درس وتدریس کی رفتار کس قدر محدود تھی۔ حضرت مولانا مرحوم نے اپنی خداداد دوراندیشی اور حساس دل ودماغ سے مدرسہ کے قیام کے بعد جو لائحۂ عمل مرتب فرمایا اس میں ان تین اہم اغراض کو مقصد اولین بتایا ہے۔

(۱) اسلامی دنیا سے مکہ معظمہ میں ہر سال شائقین علوم دینیہ کی ایک جماعت اس جذبہ اور ولولہ کے ساتھ آتی ہے کہ اسلام کے دینی مرکز میں تعلیم حاصل کرے اور اسلامی تہذیب ومعاشرت کا گہرا مطالعہ کرنے کا قریب سے موقع ملے۔ ان آفاقی طلبہ کی تعلیم وقیام و طعام کا اہتمام اور حتی الامکان ان کی ضروریات کا لحاظ رکھنا مدرسہ کا اہم فرض ہے۔

(۲) مہاجرین حرم کی اولاد کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا تاکہ آوارہ گردی، جہالت، بداخلاقی کے شکار نہ ہوں اور تعلیم و تربیت کے ساتھ ان کو شریف پیشے سکھائے جائیں تاکہ گداگری، فقر و تنگدستی کی مصیبت سے ان کو نجات ملے اور خدا کے گھر میں دوسروں کے دست نگر نہ رہیں۔

(۳) ہندوستان (قدیم) میں قرآن پاک کی صحیح قرأت کی اشاعت اور اس اعتراض کو اُٹھانا کہ ہندوستانی حفاظ کلام اللہ کو غلط پڑھتے ہیں۔ مصر، حجاز وغیرہ ممالک اسلامیہ کے قرار اور حفاظ کی ہندوستانیوں پر یہ نکتہ چینی بیجا نہیں۔ اس کے ازالہ کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا۔

مدرسہ صولتیہ کا مسلک

اغراض و مقاصد کے ساتھ حضرت بانیٔ مدرسہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایمانی فراست اور گردوپیش کے تمام حالات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس عرفانی مرکز کے لئے کچھ ضروری اور اہم ہدایات مرتب فرمائیں۔ ان میں بالخصوص ان تین امور پر زیادہ اصرار کے ساتھ پابندی کی تاکید فرمائی:

(۱) قطعی طور پر سیاسیات اور سیاسی دلچسپیوں سے ہر کارکن و مدرس اور طالب علم کو بے تعلق رہنا ضروری ہے۔

(۲) اختلافی امور اور مختلف فیہ مسائل سے کلی طور پر احتراز کیا جائے۔

(۳) تفریق اور گروہ بندی سے ہر طرح بچنا چاہئے۔

حضرت مولانا مرحوم نے جس حکمت اور بالغ نظری سے ان امور کی پابندی کو لازمی فرما دیا اور ان کو مدرسہ کا مستقل مسلک معین فرمایا، حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت بانی مدرسہ رحمۃ اللہ علیہ کو یقیناً خداداد بصیرت حاصل تھی۔ پچاس سال پہلے حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم بانی ''دارالعلوم ندوۃ العلماء'' مدرسہ صولتیہ کی اس خصوصیت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''مدرسہ کی خوش نصیبی اور مولانا مرحوم کی نیک نیتی کا ایک عمدہ ثمرہ یہ ہے کہ اس کے تمام

مدرسین اور طلبا، اس وقت کی آفتوں سے علیحدہ ہیں۔ ان کے خیالات میں نہ افراط وتفریط ہے اور نہ جدال ونزاع کا انھیں شوق ہے اور نہ کسی مسلمان کی تکفیر وتفسیق کا انھیں خیال ہے۔ الحمدللہ اس نازک اور پرفتنہ وقت میں اس بلاء سے بچنا ہی خدا کا بڑا فضل ہے، وہ اس مدرسہ پر ہے۔"

قسطنطنیہ کا دوسرا سفر

۱۲۹۹ھ میں عثمان نوری پاشا دولت عثمانیہ کی طرف سے حجاز کے گورنر (والی) مقرر کئے گئے۔ موصوف چونکہ فوجی آدمی تھے اس لئے حکمت عملی اور دور اندیشی ان میں نہ تھی۔ بعض خود غرض اور فتنہ انگیز لوگوں کی ریشہ دوانی سے وہ مدرسہ صولتیہ سے بدظن ہوئے اور اسے اجنبی ملک کی ایک تحریک سمجھ کر مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ حضرت مولانا مرحوم سے تعلقات کی کشیدگی نے معاملہ کو قسطنطنیہ تک پہنچا دیا اور طرفین کے معروضات سلطان عبدالحمید خان کی بارگاہ میں پیش ہوئے۔ یہ حضرت مولانا مرحوم کے دوسرے سفر قسطنطنیہ کی قدرتی تمہید تھی۔ عثمان نوری پاشا کے ارادوں اور خیالات کے برعکس قسطنطنیہ سے حضرت مولانا مرحوم کی طلبی کا حکم پہنچا۔ اس سفر کے ابتدائی حالات خود حضرت مولانا مرحوم کی نوشتہ تحریر سے بجنسہ درج ذیل ہیں:

"۲۰/ربیع الاول ۱۳۰۱ھ ہفتہ کے دن مغرب کے وقت مکہ معظمہ سے جدہ کو روانہ ہوئے۔ آٹھویں کے آگبوٹ میں چلنے کی تجویز موقوف رہی۔ پھر بابور (جہاز) مصری میں ۱۵/ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ روز بدھ کو سوار ہوئے اور اس نے جمعرات کے روز صبح کے وقت لنگر اٹھایا۔ پیر کی رات کو ۵ بجے سویز پہنچے اور صبح کو جو پیر کا دن اور ۲۰/ربیع الثانی کی تھی بابور (جہاز) سے اترے اور محمد علی دیدی کے مکان پر اترے۔ وہاں سے منگل کے دن ۲۱/تاریخ اسکندریہ کو ریل پر گئے۔ تین بجے اسکندریہ پہنچے۔ سعد اللہ بے کے مکان پر اترے۔ ۲۹/تاریخ ربیع الثانی جمعرات کے دن تک وہاں رہے۔ پھر آٹھویں دن جو بدھ کا دن اور ۳۰/ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ کی تھی بابور مصری پر سوار ہو کے روانہ استنبول ہوئے۔ ازمیر سے جو ہفتہ کا دن اور تاریخ ۳/جمادی الاولی کی تھی تار برقی جناب نسیم

بے اور جناب شریف عبداللہ اور جناب خیر الدین پاشا کے نام عصر کے وقت روانہ کئے اور جمادی الاولیٰ کی پانچویں تاریخ پیر کے دن استنبول میں پہنچے۔ ادھر جہاز نے لنگر ڈالا اسی وقت فی الفور مصطفیٰ وہبی بے یاور (اے ڈی سی) اور بین باشی حضرت سلطان کے جہاز پر چڑھے اور مل کے کہا کہ ''حضرت سلطان نے بہت بہت سلام فرمایا ہے اور کشتی خاص اپنی بھیجی ہے، چلئے۔'' وہاں سے چل کر سرائے (محل) قصر شاہی سلطانی تک جو بنائے سلطان مرحوم عبدالمجید خاں غازی کی ہے آئے۔ وہاں کشتی سے اتر کر دو گھوڑوں کی بگھی میں سوار ہو کے محل سرائے سلطانی میں آئے اور محل سرائے کے ایک کمرے میں اترے۔ اس روز ملاقات کو جناب کمال پاشا اور جناب عثمان بے اور جناب علی بے اور جناب نسیم بے تینوں قرنار، (مشیر) حضرت سلطانی کے ہیں اور جناب سید احمد اسعد مدنی جو مصاحب حضرت سلطان ہیں دن کو اور رات کو نصرت پاشا آئے اور اگلے دن منگل کو جناب عثمان پاشا غازی آئے، اور بدھ کو ساتویں تاریخ جناب شیخ حمزہ ظافر اور جناب سید احمد اسعد مدنی اور جناب کمال پاشا آئے اور رات کو جناب علی بے قرنار، درجہ دوم نے حضرت سلطان کی طرف سے مزاج پرسی کر کے کلمات عواطف شاہانہ پہنچائے۔ آٹھویں تاریخ جمعرات کے روز شیخ محمد ظافر صاحب تشریف لائے اور جمعہ کو جناب حسنی پاشا داماد سلطان عبدالمجید مرحوم اور جناب صفوت پاشا اور جناب اسمٰعیل حقی اور جناب سید فضل پاشا آئے اور اسی دن مغرب کے وقت خلعت سلطانی میرے اور بدر الاسلام (حضرت مولانا مرحوم کے بھتیجے) اور مولوی حضرت نور (صدر مدرس مدرسہ صولتیہ) کے لئے آیا۔ اور ہفتہ کے دن دسویں تاریخ جناب درویش پاشا اور جناب شریف عبداللہ پاشا اور جناب سید احمد اسعد اور جناب اسحٰق آفندی اور جناب ناظر اوقاف (وزیر اوقاف) تشریف لائے اور عصر کے وقت نشان (تمغۂ) مجیدی درجہ چہارم کا حضرت سلطان کی طرف سے آیا۔ اور بارہویں تاریخ اتوار کے دن رضا پاشا باش کاتب (چیف سکریٹری سلطان) مغرب کے بعد آئے اور بارہویں تاریخ پیر کے دن مغرب کے بعد بحکم سلطانی جناب شیخ الاسلام احمد اسعد عریانی زادہ کی ملاقات کو جانا ہوا۔ بہت تعظیم سے

پیش آئے اور فرمایا کہ حضرت سلطان نے فرما بھیجا ہے کہ اچھی تعظیم کیجو کہ اب تک ایسا مہمانِ عزیز میرے پاس نہیں آیا ہے، سواُس کے موافق مجھے ضروری ہے کہ تعظیم کروں۔ اور ۱۳ر تاریخ منگل کے دن ''سندروُوس'' محکمۂ شیخ الاسلام سے حاصل ہوئی۔ ۱۵ر تاریخ جمعرات کے دن مکان علیحدہ میں آئے۔ عصر کے وقت ۱۷ر تاریخ ہفتہ کے دن وہبی بے نے حضرت سلطان کی طرف سے حکم پہنچایا کہ ''مرضی حضرت سلطانی یہ ہے کہ تم اپنے اہل وعیال کو بلوالو۔ موسم ربیع قریب آ پہنچا۔ اب عرصہ تک آب وہوائے استنبول بہت اچھی رہے گی۔'' نرمی سے اس امر میں عذر کیا گیا۔ پیر کے دن دوسری تاریخ رجب کے ۱۳۰۱ھ حضرت سلطانی کے جیب خاص سے پانچ ہزار قرش صاغ ماہوار مقرر ہوئے (تقریباً دو ہزار پانچ سو روپیہ ماہانہ) اور دس ہزار قرش صاغ (تقریباً پانچ ہزار روپیہ) عطا فرمائے۔ منگل کے دن کیسۂ مفتاح کعبہ اور ایک تسبیح عقیق البحر کی اور ایک تسبیح سنگِ مقصود کی بھجوائی گئی اور فرمایا کہ ''اس کے شکریہ میں تم کو رتبہ ''پایۂ حرمین شریفین'' کا عطا کیا''۔ اس کا لباس بھی پہنچے گا۔ اور چھٹی تاریخ رجب جمعرات کے دن کو عصر کے بعد سرائے سلطانی (محل) کو جانا ہوا۔ مغرب کے بعد ملاقات ہوئی۔ غایتِ عنایتِ شاہانہ سے پیش آئے۔ مسند سے اٹھ کے ایک دو قدم بڑھ کر ہاتھ میرا قوت سے اپنے ہاتھ میں پکڑ کے فرمایا کہ ''کثرتِ شغل کے سبب اب تک میں نے ملاقات نہیں کی تھی اور تاخیر کا سبب اس کے سوا دوسرا امر نہیں''۔ پھر ہم بیٹھ گئے۔ جب میں اٹھا اور سامنے آیا (ترکی آدابِ شاہی کے مطابق) پھر دوبارا کمال خوشی سے اٹھ کے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کے کہا کہ ''تمہارا حال سننے کا مشتاق تھا، اسی لئے میں نے تم کو بلایا ہے۔ اور فرصت میں میں اور ملاقات اچھی طرح کروں گا اور کچھ دیر تک باتیں کروں گا۔'' دونوں بار میں نے بھی دعا اور کلمات شکریہ مناسبہ کہے۔ ۱۱ر رجب ۱۳۰۱ھ کو مولوی حضرت نور روانۂ مکہ معظمہ ہوئے اور ۱۲ر رجب روز پنجشنبہ کو فرمانِ سلطانی ''پایۂ حرمین شریفین'' کے عطا کی بابت حضرت سلطان نے بھجوایا اور ۱۴ر رجب روز شنبہ کو شیخ الاسلام کی ملاقات کو گیا۔ مثل اول کے تعظیم ومحبت سے پیش آئے۔''

اثنائے قیام قسطنطنیہ میں متعدد بار حضرت مولانا مرحوم کو سلطان نے شرفِ باریابی بخشا اور مختلف مسائل و معاملات پر گفتگو ہوتی تھی۔ سلطان نے مدرسہ صولتیہ کے لئے معقول ماہانہ امداد مقرر کرنے کے متعلق خیال ظاہر فرمایا، جس کے جواب میں شکریہ اور دعا کے بعد حضرت مولانا مرحوم نے سلطان کی خدمت میں عرض کیا کہ:

''حرمین شریفین میں امیر المومنین کے بہت سے جاری کردہ امورِ خیر ہیں اور بہت سے نیک کام تشنۂ تکمیل، مدرسۂ صولتیہ چونکہ ہندوستان (ہند اور پاکستان) کے دیندار اور نیک خیال مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہے اور قائم ہے ان کو اس کارِ خیر میں شرکت و سرپرستی کی سعادت سے محروم نہ فرمایا جائے جو یقیناً امیر المومنین کے الطافِ شاہانہ سے بعید نہیں۔''

ایک ملاقات میں مولانا بدرالاسلام صاحب (حضرت مولانا مرحوم کے بھتیجے) بھی ساتھ تھے۔ ان کے لئے سلطان نے حکم فرمایا کہ یہ میرے پاس رہیں گے اور کتب خانہ حمیدیہ (سلطان عبدالحمید خاں کا شاہی دارالکتب جو دنیا کے خاص کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے اور جس میں سلاطین آل عثمان کی تمام کتابوں کو جمع کیا گیا ہے) قصر یلدز کا ان کو مہتمم بناتا ہوں۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کیا اور مولانا بدرالاسلام صاحب اس خاص علمی خدمت پر مامور ہوئے۔ آخر وقت تک سلطان کے معتمد علیہ رہے۔ محاصرۂ قصر یلدز اور سلطان عبدالحمید کی معزولی کے پرخطر وقت میں صرف تین اشخاص سلطان کی خدمت میں باقی رہے جن میں مولانا بدرالاسلام بھی تھے۔

سلطان سے الوداعی ملاقات کے بعد دوسرے دن مصطفیٰ وہبی بے یاور اور خیرالدین پاشا اور نسیم بے اور سید احمد اسعد مدنی یہ چاروں اصحاب تشریف لائے اور سلطان کی طرف سے ذاتی ہدیہ ایک مرصع تلوار حضرت مولانا مرحوم کو دی اور سلطان کے یہ الفاظ نقل کئے کہ:

''ہتھیار ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی زینت ہے۔''

قسطنطنیہ سے حضرت مولانا مرحوم مکہ معظمہ پہنچے۔ مدرسہ صولتیہ کے لئے یہ مسرت اور خوشی

کا دن تھا۔ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ استقبال کرنے والون میں حجاز کے گورنر ''عثمان نوری پاشا'' بھی تھے جو سب سے پہلے حضرت مولانا مرحوم سے بغلگیر ہوئے اور اپنی غلط فہمی کی معافی چاہی۔

نہرِ زبیدہ

ملکہ بغداد خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ خاتون کا دائمی صدقۂ جاریہ نہرِ زبیدہ امتدادِ زمانہ سے بہت زیادہ قابلِ مرمت واصلاح تھی اور پانی کے لئے ساکنانِ حرم کو کافی دقت و زحمت پیش آتی تھی۔ اسی زمانہ میں سیٹھ عبدالواحد صاحب عرف ''واحدنا سیٹھ'' مکہ معظمہ آئے اوراس سلسلہ میں ایک مشورتی اجتماع مدرسہ صولتیہ میں منعقد ہوا۔ سیٹھ عبدالواحد صاحب باتوفیق صاحب ہمت ودولت مند تھے۔ حضرت مولانا مرحوم نے نہرزبیدہ کی ازسرنو اصلاح ومرمت کا بیڑا اٹھایا اوراس کے لئے حکومت کی اجازت وحالات کے لحاظ سے ایک مستقل مجلس قائم کی گئی جس میں مہاجرین مکہ معظّمہ کے ہر طبقہ میں سے ہر قوم کے ممتاز افراد مجلس میں ممبر بنائے گئے۔ اس مجلس کی صدارت کے لئے حضرت مولانا مرحوم کومنتخب کیا گیا، مگر آپ نے اپنے شاگرد رشید ''فضیلت مآب مولانا شیخ عبدالرحمٰن سراج صاحب مرحوم مفتی احناف وشیخ العلماء مکہ معظّمہ کواس کے لئے موزوں سمجھا اور خود نائب صدر کی حیثیت سے اس عظیم الشان کام کی ذمہ داری اٹھائی۔ سیٹھ عبدالواحد صاحب نہرزبیدہ کے خزانچی اورتحویلدار مقرر ہوئے۔ خدا کا شکرواحسان ہے کہ یہ صدقۂ جاریہ ان بزرگوں کی ہمت سے دوبارہ زندہ ہوا۔

قسطنطنیہ کا تیسرا سفر

دوسرے سفر سے واپسی کے بعد دیگر مشاغل ومصروفیات کے ساتھ خیرالدین پاشا، علی بے اورشیخ الاسلام وغیرہ مقربین سلطان واعیان دولت سے حضرت مولانا مرحوم کی خط وکتابت کا سلسلہ رہا، اور اکثر براہِ راست سلطان معظم کو بھی بعض اہم امور کے متعلق خطوط تحریر فرماتے

رہے۔ کبرسنی اور کثرتِ مشاغل کے سبب آپ کو ضعف بصر کی شکایت ہوگئی اور ۱۳۰۳ھ ہجری میں حضرت مولانا مرحوم نزول الماء (موتیا بند) کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے مجبور ہو گئے۔ سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً حضرت مولانا مرحوم کو قسطنطنیہ طلب کیا۔ اس حالت میں یہ طویل سفر آپ کے لئے ناقابلِ برداشت تھا، مگر سلطان کے حکم سے آپ نے عزمِ سفر کیا۔ رفقاء میں مولوی عبداللہ صاحب عرف عبداللہ جی شاگرد و خادم حضرت مولانا مرحوم نے اس سفر کے جو ابتدائی حالات قلمبند کیے وہ درج ذیل ہیں:

''پورٹ سعید میں روز شنبہ ۲۷ر شعبان ۱۳۰۴ھ استنبول کو دو تار روانہ کیے، ایک بنام میاں بدرالاسلام صاحب کے اور ایک بنام علی بے کے۔ اور اس تار میں ایک جنی عثمانی الا دو فرنک خرچ ہوئے اور اسی روز شنبہ بعد عصر آگبوٹ (جہاز) پورٹ سعید سے روانہ ہوا، اور چہار شنبہ کی رات کو چاند رمضان شریف کا نظر آیا اور روز چہار شنبہ پہلی رمضان مبارک بحساب ہماری رویت کے، صبح کے وقت تین بجے ''چناق قلعہ'' میں پہنچے اور وہاں کمندار (فوجی افسر اعلیٰ) تمام قلعوں میں چناق قلعہ کا آگبوٹ پر آیا اور مولوی صاحب سے ملا اور کہا کہ ''سرائے (محل شاہی) سے حکم آیا کہ مولوی رحمت اللہ صاحب چناق قلعہ میں پہنچے یا نہیں۔ اس سے اطلاع دو۔ تو میں اس بات کے واسطے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔'' اور بعد ایک ساعت کے پھر آگبوٹ چلا اور روز پنجشنبہ ۲ر رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ اسطنبول میں پہنچے اور سرائے یلدیز (قصر یلدز) میں ''چادر کشک'' میں اُترے اور بعد ایک ساعت کے جناب سید احمد اسعد آفندی مدنی تشریف لائے اور کہا کہ ''حضرت سلطان آپ کو بلاتے ہیں''۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ایک آغا (خواجہ سرا) آیا تو جناب مولوی صاحب حضرت سلطان کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت سلطان بڑی تعظیم سے پیش آئے اور بعد دو ساعت کے پھر جناب مولوی صاحب رخصت لے کے مکان (چادر کشک) میں تشریف لائے۔ پھر قریب مغرب اسی روز پھر سید احمد اسعد آفندی مدنی تشریف لائے اور کہا کہ ''حضرت سلطان بلاتے ہیں''، تو مولوی صاحب تشریف لے گئے اور وہیں افطار کیا اور تراویح بھی وہیں پڑھی۔ حضرت سلطان نے اُس وقت فرمایا کہ آپ کی آنکھوں کے علاج کے واسطے کل میں ڈاکٹروں کو جمع کروں گا''۔ پھر وہاں سے مولوی صاحب مکان پر تشریف لائے اور روز جمعہ

بعد عصر حضرت سلطان نے اپنے ایک مصاحب کے ساتھ پانچ عمدہ ڈاکٹروں کو بھیجا۔ انھوں نے آ کے مولوی صاحب کی آنکھوں کو خوب تحقیق سے دیکھا اور کہا کہ ''انشاء اللہ تعالیٰ آنکھیں اچھی ہو جاویں گی، پر علاج دو مہینہ کے بعد کریں گے کیونکہ اب تک پانی آنکھوں میں کامل نہیں اترا''۔ اور روز پنجشنبہ میں حاجی علی بے قرنائے ثانی بھی بعد ظہر تشریف لائے اور انھوں نے مولوی صاحب سے ملاقات کر کے مولوی بدر الاسلام سے کہا کہ مولوی صاحب کے واسطے کپڑے بازار سے لے آویں اور جا کے کپڑے بازار سے خریدے اور لیتے آئے۔ اور روزِ جمعہ نمازِ جمعہ جامع حمیدیہ میں پڑھی اور روز شنبہ ۵؍ رمضان المبارک بعد ظہر جناب عبداللہ پاشا نجدی واسطے ملاقات جناب مولوی صاحب کے آئے اور روز دوشنبہ ۷؍ رمضان شیخ محمد ظافر مع اپنے بڑے بیٹے کے واسطے ملاقات کے تشریف لائے اور بعد اس کے اور چند بار حضرت سلطان نے بلایا اور ۱۵؍ رمضان روز سہ شنبہ زیارت جادر شریف میں جانے کے واسطے بگی عمدہ بھیجی اور سید احمد اسعد افندی کو بسبب ضعفِ بصر کے ساتھ کیا اور وہاں جائے زیارت میں اسحاق افندی اور اکثر قضاۃ عسکر ملے، اور ۳۰؍ رمضان کو جناب سید احمد اسعد کو حضرت سلطان نے مولوی صاحب کی خیریت دریافت کرنے کو بھیجا اور پہلی شوال روز چہار شنبہ کو ہوئی اور نماز عید کی جامع حمیدیہ میں پڑھی۔''

سلطان کی خواہش تھی کہ حضرت مولانا مرحوم قسطنطنیہ میں ان کے پاس رہیں۔ ایک صحبت میں سلطان نے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کیا جس کے جواب میں حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ:

> ''اعزا اور اقارب کو چھوڑ کر ترکِ وطن کر کے خدا کی پناہ میں اس کے دروازے پر آ کر پڑا ہوں۔ وہی لاج رکھنے والا ہے۔ آخری وقت میں امیر المومنین کے دروازے پر مروں تو قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤں گا۔''

حضرت مولانا مرحوم کو قیامِ قسطنطنیہ بہت گراں اور شاق گذر رہا تھا اور عمر کے اس آخری دور کے ہر لمحہ کو وہ خدا کے گھر میں گذارنے کے خواہشمند تھے۔ اس زمانہ میں آپریشن ایک ہیبت ناک چیز تھی، اس لئے حضرت مولانا مرحوم شاہی اطبا سے آنکھ کے آپریشن کے لئے تیار نہ ہوئے۔

سلطان کو آپ کی از حد دلداری مقصود تھی اس لئے مرضی کے خلاف اصرار نہیں کیا اور سلطان سے اجازت لے کر ذیقعدہ میں مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔ ۱۳۰۵ھ میں ایک مقامی معالج سے نزول الماء کا آپریشن مکہ معظمہ میں کرایا جو افسوس ہے کہ کامیاب ثابت نہ ہوا۔

حضرت مولانا مرحوم چونکہ لاولد تھے اس لئے آپ نے اپنے بڑے بھائی مولانا حکیم علی اکبر مرحوم کے پوتے مولانا محمد سعید مرحوم کو وطن سے بلایا۔ ان کے والد مولوی محمد صدیق انبالہ میں سرشتہ دار تھے اور مکان کے قریب ایک مشن اسکول تھا جس میں منشی نہال الدین فارسی کے مدرس تھے۔ منشی نہال الدین اور مولوی محمد صدیق میں دوستانہ تعلقات کی بنا پر مولوی محمد صدیق نے اپنے لڑکے کو مشن اسکول میں داخل کر دیا تھا۔ اس کی اطلاع جب حضرت مولانا مرحوم کو ہوئی تو آپ نے رنج و ملال کا اظہار فرمایا اور سختی کے ساتھ لکھا کہ ''محمد سعید کو مشن اسکول سے نکال کر فوراً مکہ معظمہ بھیج دیا جائے''۔ چنانچہ ۱۲ برس کی عمر میں مکہ معظمہ پہنچے اور حضرت مولانا مرحوم نے اپنے اہتمام و نگرانی میں ان کی تعلیم و تربیت کا نظم فرمایا۔ ضعفِ بصارت کے بعد خطوط کی تحریر کا کام ان کے ذمہ ہوا۔ دوسری طرف حضرت حاجی امداد اللہ کی خواہش پر بالعموم مغرب اور عشاء کے درمیان مولانا محمد سعید مرحوم حضرت حاجی صاحب کے خطوط وغیرہ سنانے اور ان کا جواب لکھنے کے لئے جاتے تھے، اور اس طرح ان دونوں بزرگوں نے اپنی خاص نگرانی اور تربیت سے مرکزِ اسلام کی خدمت کے لئے آپ کو تیار کیا۔

عماراتِ مدرسہ

سرزمینِ حرم پر حضرت مولانا مرحوم نے مدرسہ صولتیہ کی شکل میں جو دائمی کارِ خیر چھوڑا اس کی متعدد خصوصیات میں یہ امتیاز قابل ذکر ہے کہ اس کے پاس اپنی ذاتی متعدد عمارتیں ہیں اور مدرسہ کے تمام شعبے ان وسیع عمارتوں میں ہیں جو اسی مقصد کے لئے حضرت بانی علیہ الرحمۃ نے بنائی تھیں۔ آپ کے عہدِ مبارک میں مدرسہ کی اکثر عمارتیں مکمل اور تیار ہیں۔

۱- مدرسہ کی سب سے پہلی عمارت

''صولت النساء بیگم صاحبہ مرحومہ'' رئیسہ کلکتہ کی اعانت و مالی امداد سے ۱۲۹۱ھ میں تیار ہوئی اور اس محسن خاتون کے نام سے اس عمارت کو موسوم کیا۔ اس اولین وسیع عمارت میں پانچ بڑے کمرے اور تین چھوٹے کمرے، وسیع صحن اور دیگر ضروریات ہیں۔

۲- مدرسہ کا دار الاقامہ (بورڈنگ)

دوسری مستقل عمارت ہے جو صوبۂ بہار کے ایک عالی ہمت رئیس میر واجد حسین صاحب مرحوم رئیس پٹنہ کی یادگار ہے۔ اس عمارت کی ابتدا ۱۲۹۳ھ میں ہوئی۔ مدرسہ کے اس دار الاقامہ میں پچاس طلبہ کے رہنے اور قیام کی گنجائش ہے جس کا کوئی معاوضہ وغیرہ کسی سے نہیں لیا جاتا۔

۳- مسجدِ مدرسہ

مدرسہ کی مسجد تاریخی حیثیت کے علاوہ ہندوستانی طرزِ تعمیر کا واحد نمونہ ہے۔ صحنِ حرم میں زمزم کے نزدیک ''سلطانی کتب خانہ'' کی عمارت تھی۔ صحنِ حرم میں اس عمارت کی وجہ سے نماز کے اوقات میں حجاج کو خاص طور پر تکلیف اور زحمت ہوتی تھی۔ حجاز کے گورنر عثمان نوری پاشا نے وزارتِ اوقاف قسطنطنیہ کو اس طرف توجہ دلائی کہ کتب خانہ کی عمارت اگر صحنِ حرم سے اُٹھادی جائے تو زائرین اور حجاج کی آسانی اور سہولت کا باعث ہوگا۔ یہ درخواست سلطان عبد الحمید خاں مرحوم کے حضور میں منظور ہوئی۔ کتابیں اور عمارت کا تمام سامان مسجد حرم سے ایک ملحقہ عمارت میں منتقل کیا گیا اور کتب خانہ کی عمارت گرادی گئی۔ منہدم عمارت کا سامان وغیرہ کے نیلام کا اعلان ہوا۔ اس خبر کو سن کر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بے چین ہوئے کہ جو پتھر اور سامانِ عمارت جوارِ کعبہ اور صحنِ حرم میں رہا ہو نیلام کے بعد نہ معلوم کس جگہ اور کس مقام پر خریدنے والے استعمال کریں۔ حضرت مولانا مرحوم نے عثمان نوری پاشا سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ اس سامان سے مدرسہ صولتیہ کے متعلق ایک مسجد بنوادی جائے جس کی ضرورت بھی ہے۔ اس تجویز سے حجاز کے گورنر نے اتفاق ظاہر کیا۔ ملبہ کی قیمت پندرہ سو روپیہ طے ہوئی اور یہ صحنِ حرم

سے مدرسہ میں منتقل ہوا۔ ۱۳۰۱ھ میں اس یادگار زمانہ مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ مکہ مکرمہ کے معمار گنبدوں کے بنانے میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔ مسجد کے تینوں گنبد پانی پت ضلع کرنال کے معماروں کی یادگار ہیں جو اس زمانہ میں فریضۂ حج ادا کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ آئے تھے۔ مسجد کی عمارت ۱۳۰۴ھ میں مکمل ہوئی۔ ہرات کے ایک ذی علم اور خوش قلم وخوش کلام مہاجر جن کو حضرت مولانا مرحوم سے خلوص اور دلی تعلق تھا انھوں نے مسجد کا مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ لکھ کر اپنے ہاتھ سے محراب کی پیشانی پر کندہ کیا۔

بسکہ خوش منظر است ایں مسجد ماراٴی العین مثلہ الثانی
گشت تاریخ ''خانۂ رحمت'' رحمۃ اللہ قل علی البانی

مکہ معظّمہ میں حضرت مولانا مرحوم کے تلامذہ

مسجد حرم میں حرم مولانا کا حلقۂ درس مرجع خاص وعام تھا۔ مسجد حرم کی تدریس کے زمانہ میں اور مدرسہ صولتیہ کے ابتدائی دور میں آپ سے جن اصحاب کو شرفِ تلمذ حاصل ہوا اس طویل فہرست میں سے یہ چند ممتاز علماء حرم کے نام درج ذیل ہیں:

۱- شریف حسین بن علی، سابق امیر مکہ وبانی حکومت ہاشمیہ
۲- شیخ احمد عبداللہ مرداد، شیخ الائمہ والخطباء مسجد حرم
۳- عبدالرحمٰن سراج، مفتی احناف وشیخ العلماء مکہ معظّمہ
۴- شیخ امین محمد مرداد، نائب قاضی مکہ معظّمہ
۵- عبدالرحمٰن حسن عجیمی
۶- عبداللہ الغمری، مدرس مسجد حرم
۷- حسن عبدالقادر طیب، مدرس مسجد حرم
۸- اسعد احمد دہان، قاضی مکہ معظّمہ
۹- عبدالرحمٰن احمد دہان، مدرس مسجد حرم وصدر مدرس مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ

۱۰- حسن کاظم، مدرس مسجد حرم

۱۱- مولوی عبدالستار صاحب دہلوی

۱۲- شیخ عبداللہ احمد ابوالخیر، قاضی مکہ و مدرس مسجد حرم

۱۳- عبدالحمید بخش فلکی

۱۴- سید حسن دحلان، مدرس مسجد حرم

۱۵- شیخ عبدالرحمٰن شیبی، کلید بردار خانہ کعبہ

۱۶- محمد حسین خیاط، بانی مدرسہ خیریہ مکہ معظّمہ

۱۷- عابد حسین مالکی، مفتی مالکیہ مکہ معظّمہ

۱۸- احمد نجار مرحوم، قاضی طائف

۱۹- شیخ محمد حامد مرحوم، قاضی جدہ

۲۰- شیخ محمد سعید بابصیل، مدرس مسجد حرم

۲۱- مولانا بدرالاسلام صاحب، مدرس مدرسہ صولتیہ و مہتمم کتب خانہ حمیدیہ قصر یلدز قسطنطنیہ

۲۲- شیخ عبداللہ زواوی مرحوم، مفتی شافعیہ مکہ مکرمہ

۲۳- شیخ حسب اللہ مرحوم، مدرس مسجد حرم

۲۴- شیخ محمد علی زین العابدین مرحوم، مدرس مسجد حرم

۲۵- شیخ صالح کمال مرحوم، مدرس مسجد حرم

۲۶- محمد علی کمال مرحوم، مدرس مکہ معظّمہ

۲۷- شیخ درویش عجیمی مرحوم، مدرس مکہ معظّمہ

۲۸- بکر رفیع مرحوم، مدرس مسجد حرم

۲۹- مولوی نذیر احمد صاحب بنگالی، مہاجر مکہ معظّمہ

۳۰- مولوی عبدالرحمٰن صاحب، مہاجر مکہ معظّمہ

۳۱- مولوی ضیاء الدین عبدالوہاب صاحب مرحوم، مہتمم مدرسہ باقیات الصالحات مدراس

۳۲- مولانا قاری عبداللہ صاحب، صدر مدرس شعبۂ تجوید قرآن مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ

۳۳- شیخ القراء مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب الٰہ آبادی

۳۴- مولانا عبداللہ غازی صاحب مرحوم، مورخ مکہ معظمہ و مہتمم کتب خانہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

۳۵- مولانا حکیم احمد اسمٰعیل نواب صاحب مرحوم، مکہ معظمہ کے مشہور طبیب و عالم

۳۶- مولانا محمد سعید صاحب مرحوم، سابق ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

۳۷- عبداللہ سراج مرحوم، مفتی احناف و قاضی القضاۃ و وزیر اعظم حکومت ہاشمیہ (حجاز)

۳۸- مولانا سلیمان حسب اللہ مرحوم، مدرس مسجد حرم

۳۹- مولوی عبدالخالق اسلام آبادی، بانی مدرسہ اسلامیہ دار الفائزین مکہ معظمہ

۴۰- شیخ محمد صالح میمنی مرحوم، مورخ مکہ واز مقربین شریف عون امیر مکہ۔

مدرسہ صولتیہ کے ابنائے قدیم

حضرت مولانا مرحوم کے عہدِ مبارک کے بعد بھی آپ کی اس مرکزی درسگاہ سے الحمدللہ علمی فیض اور دینی خدمت کا سلسلہ جاری ہے۔ آج سے اَسّی (۸۰) سال قبل فن تجوید و قراءت پر بہت کم توجہ کی جاتی تھی اور اسی لئے یہ قابل قدر فن برائے نام تھا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان (پاکستان و ہند) کے طول و عرض میں جہاں کہیں فنِ تجوید کا سلسلہ اور قراءت سبعہ کا چرچا دکھائی دیتا ہے یقیناً بالواسطہ یا بلاواسطہ وہ مدرسہ صولتیہ کا فیض ہے۔ مدرسہ صولتیہ کے تعلیم یافتہ طلباء جنھوں نے ہندوستان (قدیم) میں تجوید و قراءت کی ترقی و تعلیم میں خاص حصہ لیا ان میں خصوصیت کے ساتھ قراء ذیل قابل ذکر ہیں:

۱- مولوی قاری محمد سلیمان صاحب مرحوم، بھوپال

۲- قاری سید حسن صاحب، دجانہ ضلع روہتک

۳- قاری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم، احیاء العلوم الٰہ آباد

۴- قاری عبدالخالق صاحب، مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور

۵- قاری ابراہیم رشید صاحب، خطیب مکہ مسجد حیدر آباد

۶- قاری عبدالوحید خان صاحب مرحوم، دارالعلوم دیوبند

۷- قاری عبدالمالک صاحب، مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ

۸- قاری فیض عالم صاحب، گولڑا، راولپنڈی

۹- قاری محمود دیار صاحب، بھوپال

۱۰- قاری مطیع اللہ صاحب، ملتان

۱۱- قاری میران شاہ صاحب مرحوم، معلم تجوید العلوم ندوہ لکھنؤ

۱۲- مولانا قاری ضیاء الدین صاحب، مہتمم مدرسہ باقیات الصالحات مدراس

۱۳- مولانا قاری حمید الدین صاحب، بانی مدرسہ تجوید سنبھل، ضلع مراد آباد

۱۴- مولوی قاری سید مرتضیٰ حسینی صاحب، بمبئی

ان مشاہیر قرار کے علاوہ ''رحمت اللہ'' کے اس فیض عام سے جو عظیم الشان دینی اور علمی فوائد حاصل ہوئے ان کے اسّی سالہ مفصل تذکرہ کی ان محدود صفحات میں گنجائش نہیں، مگر ''دارالعلوم حرم صولتیہ'' کے ابنائے قدیم کی اس مختصر فہرست میں اس اجمال کی تفصیل موجود ہے۔ والحمدللہ

۱- شیخ احمد بن عبداللہ القاری مرحوم، مدرس مدرسہ صولتیہ و قاضی مکہ و مدرس مسجد حرم و ممبر مجلس شوریٰ مملکت سعودیہ

۲- شیخ عبدالحمید حدیدی، حال قاضی مکہ و ممبر مجلس اوقاف اعلیٰ

۳- شیخ حسین عبدالغنی مرحوم، مدرس مدرسہ صولتیہ و ممبر ہائیکورٹ و مدرس مسجد حرم

۴- شیخ یحییٰ امان، سابق مدرس مدرسہ فلاح و مسجد حرم و قاضی مکہ و ممبر ہائیکورٹ و حال قاضی طائف

۵- شیخ محمد نور کتبی، حال قاضی مدینہ منورہ و مدرس مسجد حرم

۶- شیخ احمد ناضرین مرحوم، مدرس مدرسہ صولتیہ و مدرسہ فلاح و نائب قاضی مکہ معظمہ

۷- شیخ سالم شفی، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مدرستہ الفلاح و نائب قاضی مکہ معظمہ

۸- شیخ حامد قاری، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ وقاضی طائف وحال قاضی یُنبع
۹- شیخ حسن سعید یمانی، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ وممبر ہائیکورٹ وحال قاضی القضاۃ ریاست سماٹرا۔
۱۰- شیخ احمد ہرسانی، حال قاضی محکمہ تعزیرات درجہ دوم مکہ معظمہ
۱۱- سلیمان مراد مرحوم، مدرس مدرسہ صولتیہ وقاضی طائف
۱۲- شیخ حسن محمد مشاط، مدرس مدرسہ صولتیہ وحال نائب قاضی مکہ
۱۳- شیخ عبداللہ حدادی، مدرس مدرسہ صولتیہ وسابق قاضی طائف وحال خانہ نشین
۱۴- شیخ سراج محمد نورشعشہ، سابق قاضی تبوک وسب رجسٹرار طائف وحال صدر شعبۂ اوقاف نہر زبیدہ ومدرس مدرسہ صولتیہ
۱۵- سید محمد مرزوقی کتبی مرحوم، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ وباش کاتب محکمۂ شرعیہ ومفتش محاکم شرعیہ مملکت سعودیہ
۱۶- شیخ عیسٰی رواس مرحوم، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ ومسجد حرم ومدرسہ فلاح
۱۷- سید احسن اہدل، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ وحال قاضی محکمۂ تعزیرات
۱۸- شیخ عباس عبدالجبار، مدرس مسجد حرم ومفتش کتب علمیہ
۱۹- شیخ عثمان احمد بشناق مرحوم، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ ومسجد حرم
۲۰- شیخ محی الدین کرنشی، ماہر علم فلک مکہ معظمہ
۲۱- شیخ احمد ابراہیم غزاوی، شاعر دربار جلالۃ الملک عبدالعزیز ابن سعود وممبر مجلس شوریٰ مملکتِ سعودیہ وصدر ڈسٹرکٹ بورڈ مکہ معظمہ
۲۲- شیخ محمد الصادق، مدیر محکمۂ مردم شماری مملکت سعودیہ
۲۳- شیخ محمود قاری، مدیر کلیہ شریعت مکہ معظمہ
۲۴- شیخ محمود عارف، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ ومسجد حرم وحال مدیر مدرسہ عربیہ ریاست سلانگور
۲۵- شیخ احمد منصوری، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ وحال مدیر ''دارالعلوم جادیہ'' مکہ معظمہ

۲۶- سید ہاشم، نائب الحرم مدیر ادارۂ مسجد حرم محترم مکہ معظمہ

۲۷- شیخ محمد عیسیٰ طاشکندی، وکیل عدالت وممبر میونسپل بورڈ مکہ معظمہ

۲۸- شیخ جمال سنبل، سپرنٹنڈنٹ دفتر وزارتِ خارجہ مملکت سعودیہ

۲۹- سید محسن مساوی مرحوم، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ وبانی مدرسہ دار العلوم جاویہ مکہ معظمہ

۳۰- شیخ حامد میر، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ وحال مدیر مدرسہ ثانویہ طائف

۳۱- شیخ محمد عبدالکریم سوڈانی، مدیر مدرسۂ ثانویہ مدینہ منورہ

۳۲- شیخ داؤد عبدالرحمٰن دہان مرحوم، مدرس مدرسہ صولتیہ ومسجد حرم

۳۳- شیخ عبداللہ مغربی، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ وبانی مدرسہ اسلامیہ فیرا جاوا ومدیر مدرسہ فلاح جدہ وحال نائب قاضی مکہ معظمہ

۳۴- مولانا محمد سلیم صاحب، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ وحال ناظم مدرسہ صولتیہ ومشرف عام (نگران شرعی) ''دار الفائزین'' وصدر ادارۂ حجاج منزل جدہ

۳۵- شیخ محمد علی الیاس، مدرس مدرسہ صولتیہ وحال مدیر شعبۂ ابتدائی مدرسہ صولتیہ

۳۶- مختار مخدوم مرحوم، مدرس مدرسہ صولتیہ ونگراں شعبۂ ثانوی مدرسہ صولتیہ

۳۷- شیخ ابراہیم یوسف خاں، سابق نائب قاضی طائف

۳۸- شیخ بکر کمال، سابق قاضی طائف

۳۹- شیخ محمد مدنی مجددی، مدیر شعبہ اردو ادارۂ حج مملکت سعودیہ

۴۰- شیخ زکریا بیلا، مدرس مدرسہ صولتیہ ومسجد حرم وحال نگراں شعبۂ ثانوی مدرسہ صولتیہ

۴۱- شیخ علی بکر، مدرس مدرسہ صولتیہ وبانی مدرسہ اصلاح

۴۲- شیخ محمد صالح سلیم، وکیل عدالت شرعیہ مکہ معظمہ

۴۳- شیخ محمد شاہ، مددگار ادارۂ بیت المال محکمۂ شرعیہ

۴۴- شیخ عبداللہ آشی، مدیر جمعیت اسعاف (فرسٹ ایڈ سوسائٹی) مملکت سعودیہ

۴۵- شیخ اسعد مفتی، مدیر دفتر شرکۃ عربیہ للسیارات (اربین موٹر کمپنی مملکت سعودیہ) مدینہ منورہ۔

۴۶- سید ابراہیم فلانی، مصنف وادیب

۴۷- سید سعید محمد اُبَی یمانی، از علمائے یمن

۴۸- سید محمد حزام یمانی، مدرس شہر صنعاء (یمن)

۴۹- شیخ انعم ناصر یمانی، مدرس مدرسہ فلاح مکہ معظّمہ

۵۰- شیخ محمد ابوبکر ملا، مدرس مدرسہ اجسار (نجد)

۵۱- شیخ عبدالرحمٰن ملا، مدرس مدرسہ اجسار (نجد)

۵۲- شیخ عبداللہ الکوہجی، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ وحال واعظ وخطیب بحرین

۵۳- شیخ عبداللہ فدا مرحوم، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ ومہتمم کتب خانہ مسجد حرم مکہ معظّمہ

۵۴- شیخ محمد علی یمانی، مدرس مسجد حرم وحال معلم واتالیق بعض شاہزادگان

۵۵- شیخ عبدالرحمٰن مظہر، شیخ المعلمین (پاکستان وہند) مکہ معظّمہ

۵۶- مولانا عبدالوہاب صاحب دہلوی، مالک فرم حاجی عبدالستار عبدالجبار صاحبان (شیخ کوٹھی حاجی علی جان صاحب مرحوم دہلی) وممبر مجلس کتب خانہ حرم

۵۷- حافظ عبدالباری صاحب دہلوی، منیجر فرم حاجی عبدالستار عبدالجبار صاحبان (تاجران مکہ معظّمہ)

۵۸- حافظ محمد انعام صاحب دہلوی، تاجر مکہ معظّمہ

۵۹- حافظ محمد رفیع صاحب دہلوی، تاجر مکہ معظّمہ ووکیل ریاست حیدرآباد دکن

۶۰- شیخ عمر اکبر، نائب شیخ المعلمین ہندوپاکستان مکہ معظّمہ

۶۱- سید ہاشم علی نحاس، نائب مدیر ایڈیٹر رسالہ "منہل" مکہ معظّمہ وشعبۂ تحریرات وزارت مالیہ مکہ معظّمہ

۶۲- شیخ عبدالخالق رفہ، حال تاجر جدہ

۶۳- حافظ ضیاء الدین احمد صاحب مرحوم، سابق معتمد عمومی صدر دفتر دارالعلوم حرم صولتیہ کراچی

۶۴- شیخ عمران رشادی، سابق چارج ڈی ایفیر انڈونیشیا لگیشن جدہ

۶۵- سید بکر زواوی، سابق سکریٹری مجلس میونسپل بورڈ مکہ معظمہ وحال مدیر شعبۂ صنعت

۶۶- شیخ عبدالقادر الیاس، مدرس مدرسہ صولتیہ وحال مدرس مدرسۂ عزیزیہ مکہ معظمہ

۶۷- شیخ عبدالفتاح راوہ، مدرس مدرسہ فیصلیہ مکہ معظمہ

۶۸- شیخ عبدالقادر کرامۃ اللہ، مدرس مدرسہ صولتیہ وحال مدیر مدرسۂ رابغ

۶۹- شیخ حسن صدیق سندھی، مدرس مدرسہ صولتیہ وحال مدرس مدرسہ سعودیہ

۷۰- شیخ محمد محمود ندیم، انسپکٹر روڈس آرگنائیزیشن ڈیپارٹمنٹ مملکت سعودیہ

۷۱- شیخ شمس الدین انڈونیشی، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ وحال مدرس مدرسۂ امراء طائف

۷۲- شیخ محمود زھدی، مدرس مدرسہ صولتیہ وحال قاضی القضاۃ ریاست سلانگور

۷۳- شیخ علی عبداللہ بلو، مدارس محکمۂ تعلیم مکہ معظمہ

۷۴- شیخ احمد حسن مشاط، تاجر مکہ معظمہ

۷۵- مولوی محبوب الرحمٰن صاحب کیرانوی، سابق استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وحال استاذ ادب مدرسہ عالیہ کلکتہ

۷۶- شیخ خلیل عبدالرحمٰن، مدرس مدرسہ صولتیہ وحال مدرس گورنمنٹ اسکول ریاض (نجد)

۷۷- شیخ محمد علی ملاوی، مدرس مدرسہ صولتیہ وحال ادارہ کعکی موٹر ورکشاپ مکہ معظمہ

۷۸- شیخ محمد سعید ابوالخیر مرحوم، سابق مدیر اوقاف مملکت سعودیہ

۷۹- شیخ محمد علی بن ترکی، سابق ممبر مجلس شرعی وحال مدرس مسجد نبویؐ مدینہ منورہ

۸۰- شیخ عبدالصمد فدا، تاجر کتب مکہ معظمہ

۸۱- حکیم محمد نعیم صاحب، طبیب صولتیہ دارالشفاء و منتظم شعبۂ اردو ریڈیو اسٹیشن مملکت سعودیہ

۸۲- شیخ زبیر احمد، مدرس مدرسہ صولتیہ و مہتمم مدرسہ دارالعلوم جاویہ وحال مہتمم مدرسہ عربیہ فلفلان انڈونیشیا

۸۳- شیخ راج عثمان، مفتی شہر کلان جاوا

۸۴- شیخ عبدالمجید، مہتمم مدرسہ اسلامیہ جمی جاوا

۸۵- شیخ حسن یحییٰ، مہتمم مدرسہ نور الایمان جاوا

۸۶- شیخ کماس عبد الصمد، بانی مدرسہ نور الایمان جاوا

۸۷- شیخ محمد علی منصور، صدر مدرس مدرسہ ادریسیہ فیرا

۸۸- شیخ ابو بکر کمرین، مدرس مدرسہ اسلامیہ فلبان

۸۹- شیخ محمد مرزوقی، مفتی فلبان

۹۰- قاری علاء الدین، بانی مدرسہ تجوید کوالا فیرا، جاوا

۹۱- شیخ زین الدین امینان، بانی مدارس "نہضۃ الوطن الدینیۃ الاسلامیہ" جاوا

۹۲- شیخ عبد الغنی مواری، نائب قاضی و بانی مدرسہ عربیہ موار، جاوا

۹۳- شیخ عبد الرشید محمد طیب، مہتمم مدرسہ فولو، جاوا

۹۴- شیخ محمود میدان، بانی مدرسۂ مصطفویہ، قدح

۹۵- شیخ عبد الحلیم، خطیب مہتمم مدرسہ مصطفویہ، قدح

۹۶- شیخ تاج الدین سبکی، مدرس مدرسہ اسلامیہ سماٹرا

۹۷- شیخ عبد الصمد صالح، مہتمم مدرسہ عربیہ پینانگ

۹۸- شیخ خلیل عبد الجبار، سابق چیف اکاؤنٹنٹ وزارت مالیہ مملکت سعودیہ

۹۹- شیخ عباس قطان مرحوم، سابق چیرمین مکہ معظمہ

۱۰۰- شیخ سلیمان جنیدی، مجلس علمی انڈونیشیا

وفات حسرت آیات

اسلام اور مسلمانوں کی دینی اور علمی ہر ممکن خدمت کے بعد اس مجاہد فی سبیل اللہ نے ۷۵ سال کی عمر میں جمعہ کے روز ۲۲ ر رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اسلام کا یہ سچا خادم اپنی تمنا اور آرزو کے مطابق پیوند زمین حرم محترم ہوا۔ جنت المعلاۃ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے جوار اور صدیقین و شہداء کے زمرہ میں مدفون ہوئے۔

رحمة الله علىٰ رحمت الله

اس چھوٹے سے احاطہ میں صرف پانچ قبریں ہیں جن میں اکثر و بیشتر اسی طبقہ کے خاصانِ خدا، عالم آخرت میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ محض تاریخی معلومات کے لئے ان بزرگوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱) حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب
۲) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب
۳) نواب علی العلی خاں صاحب رئیس چھتاری ضلع بلند شہر
۴) شمس العلماء، مولانا محمد حسین صاحب الٰہ آبادی کے والد
۵) مولانا عبدالحق صاحب شیخ الدلائل، مصنف ''اکلیل شرح مدارک التنزیل''
۶) مولوی عزیز بخش صاحب مرحوم بدایونی
۷) مولانا حضرت نور صاحب، صدر مدرس مدرسہ صولتیہ
۸) مولوی عبداللہ غازی صاحب، سابق مہتمم کتب خانہ مدرسہ صولتیہ و شاگرد حضرت مولانا مرحوم
۹) شیخ عبدالحکیم صاحب، سابق خزانچی مدرسہ۔ رحمة الله عليهم اجمعين۔

قطعۂ تاریخ وفات فخر العلماء حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کیرانوی نور اللہ مرقدہ بانی مدرسۂ صولتیہ مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً۔ از مولوی احمد الدین صاحب متوطن چکوال ضلع جہلم تلمیذ حضرت مولانا مرحوم۔

آہ زیں حینِ مصائب اقتراں مجمعِ اندوہ و رنج بیکراں
گشت صبر از خاطر غمدیدہ گم ہست قول مثنوی شاہد براں
بشنواز نے چوں حکایت می کند کایں نے خامہ است دل را ترجماں
وز جدائیہا شکایت می کند بازبانِ تیز و چشم خوں فشاں
کز نیستاں تامرا ببریدہ اند سخت حیرانم بدست این و آں

در فراقم مرد و زن نالیده اند — گریه ام شورے دمد در حاضراں
سینه خواهم شرحه شرحه از فراق — گر کنم رنج نهانی راعیاں
تا بگویم ذکر دردِ اشتیاق — زانتقال قبلۂ اہل دلاں
حضرت مخدومنا علم الهدیٰ — فیضِ بخش ناکساں و ناقصاں
فخر اہل الهند فی ملک العرب — بلکه در اسلامبول[1] ازوے نشاں
در عراق و هند و مصر و شام و روم — در فضائل گشته ممتاز زماں
کاشتہار الشمس فی نصف النهار — فی بسیط الارض باللطف العیاں
زیر ایں گنبد هزار اہل کمال — مشتهر گشتند لمّا نے چناں
ماتمش یک نیست بل صد ماتم است — ظلمتے آمد عیاں اندر جهاں
فوتِ عالم موتِ عالم گفته اند — سیّما آنانکه نائد مثلِ شاں
۱۳۰۸ھ
بود در دنیا چراغ دین ، دل — تا که شیخ ملک حرمین گشت آں
۱۳۰۸ھ
روز جمعه بست و دوم از ماه صوم — رفت سوئے باغ شه یعنی جناں
۱۳۰۸ھ — ۱۳۰۸ھ
غرق باده در سیول فیض حق — دام بالا فضال فی کهف الاماں
چونکه الطاف جناب آمد بیاد — آں زماں بر دل رسد زخمِ گراں
زار مینالم زحال زار خویش — چوں ندانم چارۂ اندوه جاں
لاجرم چوں نیست درماں غیر صبر — می نمایم بر دعا ختم بیاں
رحمۃ اللہِ علیٰ اسلافه — نعمۃ اللہ باد درا خلاف شاں

گو غریب الوطن تاریخ وصال
رحمۃ اللہ لدی خیر الجناں

---

[1] دارالخلافت قسطنطنیه

مجاہدِ اسلام

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

حیات و کارنامے

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ
کی شخصیت اور کارنامے پر پہلی بار
مفصل تاریخی دستاویز

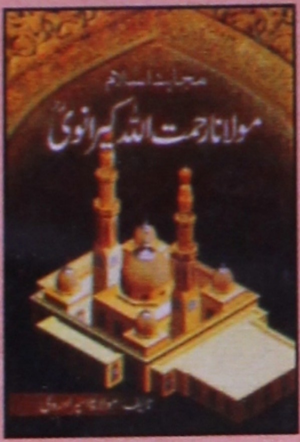
از: مولانا اسیر ادروی

صفحات: 330 قیمت: -/90 روپے

ناشر

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
NEW DELHI-110002







Rs. 84/-

Izhar-ul-Haq

Originally written in Arabic under the title *Izhar-ul-Haq* by the distinguished 19th century India scholar Maulana Rahmatullah Kairanvi and appeared in 1864. Well before the now famous Muslim-Christian Debates by Ahmad Deedat of South Africa, Maulana Rahmatullah was challenging the Christian offensive against Islam in British India in a debate which took place in January 1854, in Akbarabad in the city of Agra. The Rev CCP Founder (who had written a book in Urdu to cast doubts into the minds of the Muslim) admitted that there were alterations in the Bible in seven or eight places to which the Maulana commented: "If any alteration is proved to have been perpetrated in a particular text, it is considered null and void and invalidated. This and other debates proving Islam to be the true religion was part of the trigger which lead to the brutal British aggression against the Muslims of India in 1857 in which thousands of Ulemah were killed. Maulana Rahmatullah was at the top of the list, but Allah saved him and took him to Makkah where he established Madrasa Saulatiyah.

اظہار الحق

انگریزی، فرانسیسی، ترکی، جرمنی اور گجراتی ترجموں کے بعد مجاہد اسلام، ناصرِ حقانیت حضرت علامہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ، بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کی معرکۃ الآراء عربی تالیف ''اظہار الحق'' کا اُردو ترجمہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت ونگرانی میں مولانا اکبر علی مرحوم اور مولانا محمد تقی عثمانی کی مشترکہ علمی وتحقیقی مساعی سے پایۂ تکمیل کو پہنچ کر علمی دنیا میں ایک بیش بہا تحقیقی سرمایہ کا باعث ہوا۔ اسلام کی حدود پر یہ کتاب ایک دفاعی مورچہ سے کم نہیں جس میں اثبات تحریفِ انجیل، ابطالِ تثلیث، قرآن پاک کا غیر محرف کلام اللہ ہونا، اثباتِ نبوّت اور اَعدائے اسلام کے سینکڑوں بنیادی اعتراضات کے مدلل جوابات ہیں۔ ''اظہار الحق'' ہی وہ واحد کتاب ہے جس کا جواب مسیحی علماء نہ دے سکے۔ موجودہ دَور میں اسلام اور رسالت کے خلاف نت نئے فتنوں کے مقابلہ میں اظہار الحق اور اس کا اُردو ترجمہ ''بائبل سے قرآن تک'' علماء دین، طلبہ علم اور اہل تحقیق وتالیف کے لئے ایک بیش بہا علمی تحفہ ہے اور دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جس کے اب تک متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور اب یہ سعادت فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ کو حاصل ہو رہی ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آنے کی توقع ہے۔

£ 9.95,
480 pages Paperback A5
Kg 0.50 [+ Add to Shopping Cart]
ISBN 1 842000 46 2

CONTACT:
1, Wynne Road,London,
SW9 0BB,England
Telephone + 44 207 737 7266
(Monday to Friday between 10am and 4pm GMT) Fax: + 44 207 737 7267
www.taha.co.uk
E-mail sales@taha.co.uk

Farid Book Depot(pvt) Ltd.
2158,M.P. Street, Patuadi House,
Darya Ganj, New Delhi - 110 002
(India)email: farid@ndf.vsnl.net.in
Ph 23289786, Fax: 23279998